فلسفہ شہادتِ حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمّتِ مُحمّدیہ کے لئے

# پیغامِ حیات

مُجاہدِ ملّت مولانا مُحمّد عبدُالسّتّار خان نیازی

مع

# آئینۂ قیامت

(واقعاتِ شہادت)

تالیف مُحمّد حسن رضا خان حسنؔ رح

مکتبۂ رضویہ، لاہور

فلسفہ شہادتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمّتِ محمدیہ کے لئے

# پیغامِ حیات

مجاہدِ ملت مولانا محمد عبد الستار خان نیازی

مع

# آئینہ قیامت

(واقعاتِ شہادت)

تالیف: محمد حسن رضا خان حسن رح

مکتبہ رضویہ، لاہور

روضۂ مبارک سیّدنا اِمام حسینؑ علیہِ السّلام
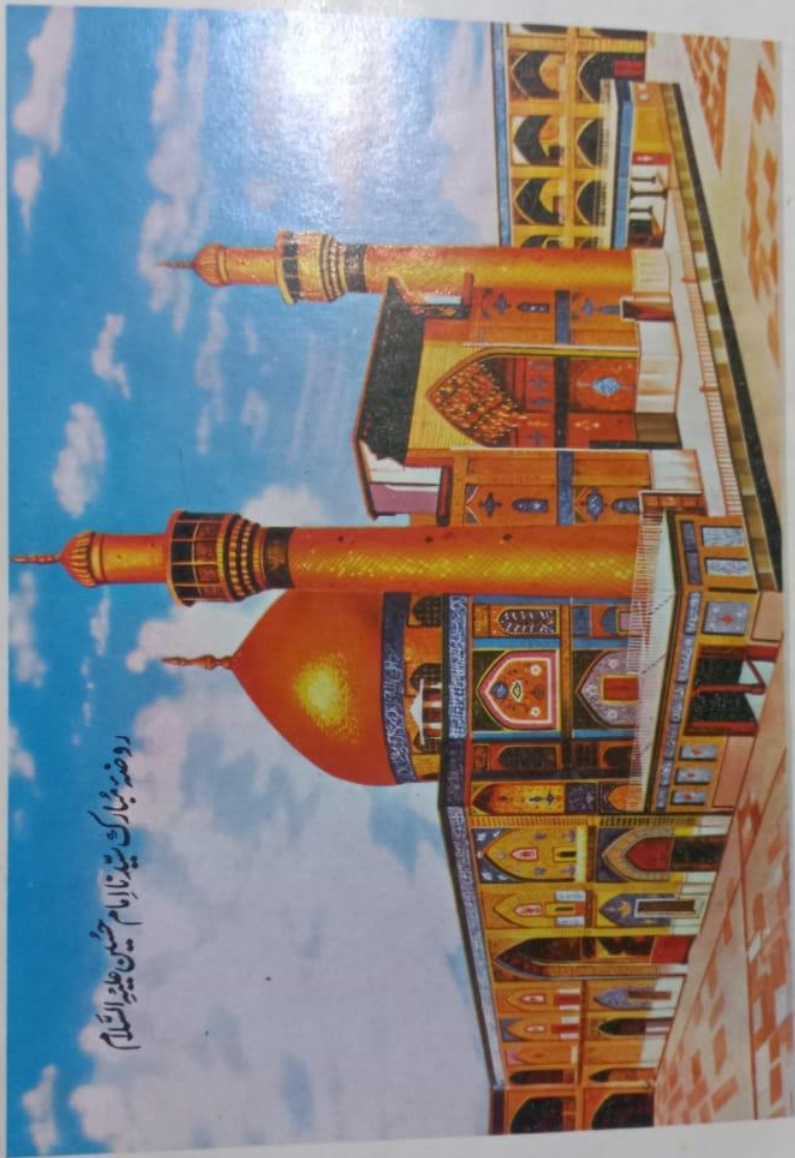
# حرفِ ناشر

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ، مجدّد دین وملّت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ / ۱۸۵۶ء - ۱۹۲۱ء) کے برادر اصغر حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۶ھ - ۱۳۲۶ھ / ۱۸۶۰ء - ۱۹۰۸ء) اپنی خاندانی نجابت کی بناء پر ہی نہیں ذاتی علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے باعث بھی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں ۔ بالخصوص شعر و سخن میں آپ نے وہ بلند درجہ حاصل کیا کہ اپنے دور کے مقتدر و ممتاز شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے ۔ نواب میرزا خان داغ دہلوی (م ۔ ۱۹۰۵ء) آپ کے استاد تھے اور انہیں اس بات پر ناز تھا ۔ حضرت کے کلام میں داغ کا رنگ نمایاں ہے ۔ نعتیہ دیوان کے علاوہ بہت سی دوسری تصانیف آپ کی پچاس سالہ حیات مستعار کا شاہکار ہیں ۔ ان میں زیر نظر کتاب "آئینۂ قیامت" اس اعتبار سے خصُوصی اہمیّت کی حامل ہے کہ قیام پاکستان سے قبل کم از کم دس بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ۔ ہم جس ایڈیشن کا عکس شائع کر رہے ہیں ، وہ اس معرکۃ الآرا تالیف کی اشاعت نہم ہے ، اسے رِضوی کتب خانہ ، بریلی شریف نے زیور طبع سے آراستہ کیا ۔ وطن عزیز میں بھی پیشتر ازیں یہ کتاب دو مرتبہ چھپ چکی ہے ۔

حادثۂ کربلا پر حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ بیان نہایت ہی دلسوز اور دلنشین ہے ۔ فی الحقیقت یہ کتابچہ اس موضوع پر کئی ضخیم کتب پر بھاری ہے ۔ اس کی افادیّت کے پیش نظر ہم نے اسے ایک بار پھر شائع کرنے کا ارادہ کیا تو مناسب معلوم ہُوا کہ اس کا پیش لفظ کسی ایسی شخصیّت سے لکھوایا جائے جو علوم اسلامیہ اور تاریخ الامّت پر یکساں دسترس رکھتی ہو ۔ جوینده یابنده ، ہماری رسائی مجاہد ملّت حضرت مولانا محمّد عبدالستار خان نیازی مدظلّہ کی ذات گرامی تک ہوئی ، جو عملاً پیغامِ حُسینیّت کے سچّے علمبردار ہیں اور یزیدیّت کے خلاف ہمیشہ سر بکف رہے ہیں ، سُنّتِ سیّد الشّہداء کی اتباع میں جنہیں دارورسن کی منازل سے آشنا ہونا پڑا ۔ سزائے موت کے بعد پھانسی کی کوٹھڑی جن کے پائے استقلال کو سرِ مو نہ ہلا سکی ۔ آپ کی زندگی فی الواقع حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ کے ایک

کتاب ــــــــــــــــــ فلسفۂ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اُمتِ محمدیہ کے لئے پیغامِ حیات
مصنف ــــــــــــــــــ مولانا محمد عبد الستار خان نیازی مدظلہ،

کتاب ــــــــــــــــــ آئینۂ قیامت
مؤلف ــــــــــــــــــ محمد حسن رضا خان حسنؔ علیہ الرحمہ
کُل صفحات ــــــــــــــــــ ۱۵۴
مطبع ــــــــــــــــــ لیاقت آصف پرنٹرز، لاہور
سنِ طباعت ــــــــــــــــــ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ / جولائی ۱۹۸۸ء
اشاعتِ اوّل ــــــــــــــــــ ۱۱۰۰
ناشر ــــــــــــــــــ مکتبۂ رضویہ، ۲/۴۴ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ
ــــــــــــــــــ لاہور نمبر ۵۴۵۰۴
قیمت ــــــــــــــــــ . روپے
واحد تقسیم کار: ــــــــــــــــــ
شبّیر برادرز، ۴۰-بی، اُردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰

سچے خادم اور مرد حر کی زندگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابدی صداقت پر مبنی موقف کے حق میں زبان کھولتے ہیں تو آپ کا عمل اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا جاتا ہے۔

حضرت مجاہد ملت مدظلہ نے ہماری گذارش پر جب پیش لفظ رقم فرمایا تو یہ ایک مستقل تصنیف بن گئی اور اصل کتابچہ سے اس کی ضخامت کہیں زیادہ ہو گئی۔ ہم نے بارہا تنقیدی نظر سے اس کا جائزہ لیا اور بعض اہلِ علم حضرات سے ان کی قیمتی آراء بھی طلب کیں، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کی یہ بے مثل تحریر بلا حک و اضافہ من و عن قارئین تک پہنچانا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ آپ کے فاضلانہ خیالات کو بعنوان :

"فلسفۂ شہادتِ حسین
امتِ محمدیہ کے لئے
پیغامِ حیات"

آئینۂ قیامت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

لاہور
یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

قمرالدّین امرتسری
ناظمِ مکتبہ

# فہرس

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

ماحی بدعت ، حامیٔ سُنّت ، مدّاح و جان نثار شانِ رسالت حضرت مولانا علّامہ الحاج جناب محمد حسن رِضا خان صاحب قادری برکاتی ابوالحسینی روح اللہ روحہ و نُور مرقدہ نے "آئینۂ قیامت" کے عنوان سے اپنی قابلِ قدر تالیف میں شہادتِ امام عالی مقام کے گُل ہائے عقیدت اور اسرار ہائے اعلاء کلمۃ الحق بیان کئے ہیں ، وہ تاریخی حقائق اور علمی نوادرات ، ایمانی حسّاسات ، فصاحت و بلاغت اور ادبی سلاست اور برجستگی کا ایک شاہکار ہے ۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ اس تالیفِ لطیف میں جنابِ محمد حسن رِضا خان صاحب نے امام عالی مقام اور اہلِ بیت کے ساتھ اپنی والہانہ محبّت اور شیفتگی کے ساتھ ساتھ واقعات کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ یہ مختصر رسالہ ایک ضخیم اور مفصّل تصنیف پر بھاری ہے ۔ اندازِ بیان اتنا دِل آویز ہے کہ ایک طرف واقعات کا تسلسل پوری جامعیّت کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اس کے ساتھ امام عالی مقام رضی اللہ تعالٰی عنہ ، آپ کے فدا کار و جان نثار مُتّبعین اور اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیّت ، عظمت و وقار اور پاکیزگی بھی قائم رہتی ہے ۔

قبل اس کے کہ مَیں شہادتِ امام عالی مقام کی اہمیّت ، عظمت و وقار ، تصوّرِ خلافت علٰی منہاجِ نبوّت میں اس کا صحیح مقام معیّن کروں ۔ مَیں زیرِ تبصرہ کتاب میں مؤلّف کی پُر خلوص ادبیّت کی جانب بھی قارئین کی توجّہ مبذول کروانا چاہتا ہوں ۔ یزید کے ظالمانہ نظامِ حکومت کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ :

"اس مردود نے اپنی حکومت کی مضبوطی ، اپنی ذلیل عزّت کی ترقی اس امر میں منحصر سمجھی کہ اہلِ بیت کرام کے مقدّس و بے گناہ خون سے اپنی ناپاک تلوار رنگے ۔ اس جہنّمی کی نیّت بدلتے ہی زمانے کی ہَوَا نے پلٹے کھائے اور زہریلے جھونکے آئے کہ جاوداں بہاروں کے پاک گریبان بے خزاں پھولوں ، نوشگفتہ گُلوں کے غم میں چاک ہوئے ۔ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہری بھری لہلہاتی پھلواری کے سُہانے نازک پُھول مُرجھا مُرجھا کر طراز دامن خاک ہوئے"[1] ۔

---

1 حسن، محمد حسن رضا خان: آئینۂ قیامت، مطبوعہ رضوی کتب خانہ، بریلی۔ بار نہم، ص ۶

روضۂ مقدس پر امام عالی مقام کی آخری حاضری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فاضل مؤلف لکھتے ہیں : ۔

"صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد سر جُھکا کر کھڑے ہوگئے ہیں ۔ غمِ فراق کلیجے میں چٹکیاں لے رہا ہے ، آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہیں ، رقت کے جوش نے جسم مبارک میں رعشہ پیدا کر دیا ہے ۔ بے قراریوں نے محشر برپا کر رکھا ہے ۔ دل کہتا ہے سر جائے مگر یہاں سے قدم نہ اُٹھائیے ۔ صُبح کے کھٹکے کا تقاضا ہے ، جلد تشریف لے جائیے ۔ دو قدم جاتے ہیں اور پھر پلٹ آتے ہیں ۔ حُبِّ وطن قدموں پر لوٹتی ہے کہ کہاں جاتے ہو ۔ غربت دامن کھینچتی ہے ، کیوں دیر لگاتے ہو ، شوق کی تمنّا ہے کہ عمر بھر نہ جائیں ۔ مجبوریوں کا تقاضا ہے ، دم بھر نہ ٹھہرنے پائیں " ۔ ۱

اس تالیف میں مومنانہ سوز و گُداز اور عشق ونیاز کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری ع "دل می رودزدستم صاحبدلاں خدارا" کا دِلنواز پیکر بن جاتا ہے ، ملاحظہ فرمائیے ؎

خوباں دل و جان بے نوا میخواہند
زخمے کہ زنند مرحبا میخواہند
ایں قوم ایں قوم چشم بد دور ایں قوم
خون می ریزند و خونِ بہا میخواہند

اور یہ امتحان کُچھ حسینانِ زمانہ ہی کا دستور نہیں حُسنِ ازل کی دلکش تجلّیوں اور دلچسپ جلووں کا بھی معمول ہے کہ فرمایا جاتا ہے ۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

ـــــ (اور ضرور ہم تمہارا امتحان کریں گے کُچھ خوف کُچھ بھوک سے اور مال گھٹا کر اور جانوں اور پھلوں سے ۔) جب ان کڑیوں کو جھیل لیا جاتا اور ان تکلیفوں کو برداشت کر لیا جاتا ہے تو پھر کیا پوچھنا سراپردۂ جمال ترسی ہوئی آنکھوں کے سامنے سے اُٹھا دیا جاتا اور مدّت کے بے قرار دل کو راحت و آرام کا پُتلا بنا دیا جاتا ہے ۔ اسی بنیاد پر تو میدانِ کربلا میں امام مظلوم کو وطن سے چھڑا کر پردیسی بنا کر لائے ہیں اور آج صُبح سے ہمراہیوں ، رفیقوں بلکہ گود کے پالوں کو ایک ایک کرکے جُدا کر لیا گیا ہے ۔ کلیجے کے ٹکڑے خون میں نہائے آنکھوں کے سامنے

---

۱ آئینہ قیامت ، ص ۱۰

پڑے ہیں ۔ ہری بھری پھلواری کے سہانے اور نازک پھول پتی پتی ہو کر خاک میں ملے ہیں اور کچھ پروا نہیں ۔ پروا ہوتی تو کیوں ہوتی کہ راہِ دوست میں گھر لُٹانے والے اسی دن کے لئے مدینے سے چلے تھے ۔ جب تو ایک ایک کو بھیج کر قربان کردیا اور جو اپنے پاؤں نہ جا سکتے تھے اُن کو ہاتھوں پر لے کر نذر کر آئے ۔ کہاں ہیں وہ ملائکہ جو حضرت انسان کی پیدائش پرچون وچرا کرتے تھے ، اپنی جانمازوں اور تسبیح و تقدیس کے مصلّوں سے اُٹھ کر آج کربلا کے میدان کی سیر کریں اور اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی شاندار تفسیر حیرت کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں"۔ [1]

صفحہ ۴۶ ، ۴۷ پر "تاریخ کا پچھلا حصّہ اور امام تِشنہ کام کی شہادت" کے عنوان سے اہل بیت کی عظمت اور بے مثال قربانی پر تیس اشعار کا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے بعد مقطع میں فرماتے ہیں ؎

بے ادب گستاخ فرقے کو سُنا دے اے حسنؔ
یُوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اَہلِ بیت

اس کے بعد میدانِ کربلا کا نقشہ پیش کرتے ہیں ۔ فھوھٰذا :

"اے کوثر ! اپنے ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کی سبیل تیار رکھ کہ تین دن کے پیاسے تیرے کنارے جلوہ فرمائیں گے ۔ اے طوبےٰ ! اپنے سائے کے دامن اور دراز کر ، کربلا کی دھوپ کے لیٹنے والے تیرے نیچے آرام لیں گے ۔ آج میدانِ کربلا میں جنتوں سے حوریں سنگار کئے ٹھنڈے پانی کے پیالے لئے حاضر ہیں ۔ آسمان سے ملائکہ کی لگاتار آمد نے سطح ہوا کو بالکل بھر دیا ہے اور پاک روحوں نے بہشت کے مکانوں کو سُونا کر دیا ۔ خود حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ سے اپنے بیٹے لاڈلے حُسین کی قتل گاہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں ، ریش مبارک اور سر اطہر کے بال گرد میں اَٹے اور مقدس آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے ، دستِ مبارک میں ایک شیشہ ہے جس میں شہیدوں کا خون جمع کیا گیا ہے اور اب مقدس دل کے چین پیارے حُسین کے خون بھرنے کی باری ہے ؎

بچہ ناز رفتہ باشدز جہاں نیاز مندے
کہ بوقتِ جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

---

[1] آئینۂ قیامت، ص ۴۳۔۴۴

غرض آج کربلا میں حُسینی میلہ لگا ہوا ہے ۔ حُوروں سے کہو کہ اپنی خوشبودار چوٹیاں کھول کر کربلا کا میدان صاف کریں کہ تمہاری شاہزادی ، تمہاری آقائے نعمت فاطمۂ زہراء کے لال کے شہید کرنے اور خاک پر لٹائے جانے کا وقت قریب آگیا ہے ۔ رضوان کو خبر دو کہ جنتوں کو بھینی بھینی خوشبوؤں سے بسا کر دل کش آرائشوں سے آراستہ کرکے دُلہن بنا رکھے کہ بزمِ شہادت کا دولہا بہتے خون کا سہرا باندھے ، زخموں کے ہار گلے میں ڈالے عنقریب تشریف لانے والا ہے "۔ ۱

# حادثۂ کربلا اور حُرّیّتِ اسلامیہ کی حقیقت

حضرت امام عالی مقام کا یزید کے ظالمانہ اور مستبدانہ نظامِ حکومت کو چیلنج کرنا اور ایمانی غیرت و مردانہ وقار کے ساتھ زہرہ گُداز حوادث کا مقابلہ کرنا ، ظالم کی بیعت نہ کرنا اور اس کی پاداش میں موت کے آئینے میں رُخِ دوست کا نظارہ کرنا ایک ایسی عزیمت و استقامت کا شاہ نشان ہے کہ تا قیامِ قیامت سالارانِ قافلۂ حُریت کے لئے مینارِ نُور ثابت ہوگا ۔ انہوں نے اس قافلہ کے ہر فرد کو یہ سبق دیا کہ ؎

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول!

چاہئے تو یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہؐ کا ہر فرد شہادتِ حسینؓ کو ملّی اجتماعی زندگی کا نمونہ سمجھتا اور دینِ مُبین کے استحصال ، تلبیس اور منافقت کا مقابلہ کرنے کے لئے امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کو اپنے لئے بطور مکمل راہبر و راہ نُما قبول کرتا ، مگر افسوس ہے کہ اس شہادتِ عظمٰی پر دعوتِ اتحاد و اتفاق دینے کے بجائے افتراق ، باہم آویزی اور فرقہ وارانہ مناقشت کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے ۔ امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی آمریت کو اسلامی تصورِ خلافت کے لئے زہرِ ہلاہل سمجھا ۔ بقول حکیمُ الامّت ؎

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوّت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوّتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

---

۱ ۔ آئینہ قیامت ، ص ۴۸

تاقیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالٰہ گردیدہ است[1]

انہوں نے اس جابرانہ نظام کو بدلنے کے لئے نعرۂ حق بلند کیا ۔ یزید کے طرزِ عمل کو آج تک اُمّتِ مُسلمہ نے ہمیشہ گمراہ کُن اور باطل قرار دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ رُوئے زمین پر سو کروڑ یعنی ایک ارب مُسلم آبادی میں آپ کو لاکھوں اور کروڑوں غلام حُسین ، محمد حُسین ، نذر حُسین وغیرہ اشخاص مل جائیں گے ۔ لیکن غلام یزید ایک بھی نہیں ملے گا ۔ اُمّتِ مسلمہ کے لئے شہادتِ امام حُسینؓ ، جہادِ زندگانی اور جوشِ کردار کے لئے زبردست قوّتِ محرّکہ ہے ۔ اسی نکتۂ شہادت کو لے کر مرد مومن فرعونیّت ، قارونیّت اور یزیدیّت کا خاتمہ کر سکتا ہے ۔ جس ملک کے اندر حکمران طبقہ اسلامی شورائی نظام سے انحراف کرے گا ، قوم اُسوۂ شبیری کو اپناتے ہوئے اُس کے مقابلے میں آ جائے گی اور اسے خلافت علٰی منہاجِ نبوّت کی خصُوصیات عطا کرنے کے لئے ہر ممکن ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے گی ۔ حکیمُ الاُمّت کا یہ ارشاد ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ دِلگیری[2]

اسی تصوّر کو واضح کرتا ہے ۔

امام حُسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے نانا جان سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم اور سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی آغوشِ محبّت میں تربیّت پائی تھی ۔ اپنے والد ماجد حیدر کرّار حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی پوری زندگی میں انہیں سرپرستی حاصل رہی ۔ شیخین کریمین سیّدنا صدّیق اکبر اور سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بابرکت عہدِ خلافت میں انہوں نے نہ صرف اپنے والد کی بہترین قضا اور عدالت کا مشاہدہ کیا ، بلکہ دورِ شیخین میں بھی ہر دو بزرگوں کے نظامِ حکومت کا بغور مشاہدہ کیا ۔ حضرت عثمان جامع القرآن ذوالنّورین کے دَور میں اپنے والد کی پاکیزہ سیرت کے ساتھ ساتھ اپنے خالِ محترم خلیفۂ ثالثؓ کے زمانے میں تہذیب و تمدّن ، اخلاق و معاشرت ، سیاست و جہاد اور زندگی کے ہر پہلو کو

---

۱۔ اسرار و رموز (اسرار خودی و رموز بے خودی) ، مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس ، لاہور ۱۹۴۰ء ۔ بار دوم ، ص ۱۲۷

۲۔ ارمغان حجاز ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۹ء ۔ طبع ہفتم ، ص ۲۶۲

بنظرِ غور دیکھا ۔ دَورِ عثمانی کی جنگوں میں سرگرمِ جہاد رہے[1] حکومت میں نیابت اور دولت میں امانت پر مؤسّس خلافت علٰی منہاجِ نبوّت کا زمانہ اُن کے سامنے تھا ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خلافت ، ملوکیّت اور قیصریّت میں تبدیل ہو رہی ہے تو اُس کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور بے خوف و خطر اس غلط روش کا زور توڑنے کے لئے میدانِ عمل میں آگئے ۔ خلافت علٰی منہاجِ نبوّت کا تصوّر یہ ہے کہ ملک خدا کا ہے ﴿قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ[2]﴾ ، تمام انسان اللہ کی مخلوق اور رعیّت ہیں اور حکومت ، صدرِ مملکت ، وزراء بلکہ تمام صاحبانِ اقتدار ، خدا کے سامنے جوابدہ ہیں ؎

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اُورانہ اُوکس را غلام[3]

یعنی حکومت مالکِ مطلق نہیں ہے اور نہ ہی رعیّت اُس کی غلامِ بے دام ہے ۔ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ قانونِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور پبلک کے سامنے جوابدہ ہیں ۔ آیتِ قرآنی ﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ[4] ﴾ کے ماتحت اسلامی حکومت "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی پابند ہے ۔ حضرت امام حُسینؓ کے سامنے ایک عام قبطی نے گورنر مصر کے صاحبزادے کے خلاف امیرالمؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کھلی کچہری میں دورانِ موسمِ حج استغاثہ پیش کیا اور گورنر کے لڑکے سے بدلہ لیا ۔ مسجد نبوی میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر فاروقِ اعظم جیسے جابر خلیفہ کو ٹوک دیا اور پوچھا کہ تم نے کُرتہ کہاں سے بنایا ہے ۔ اس قسم کے بیسیوں واقعات اُن کے سامنے تھے ۔ اس لئے یزید کی ولی عہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہُوا اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ[5] کا تصوّر صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا تھا ، اسے بدلنے کے لئے انہوں نے یزیدی حکومت کو چیلنج کر دیا ۔ وہ سلطنت قائم

---

۱ عبدالقیوم ندوی ، مولانا ، تاریخِ ملت ( حصہ دوم ) ، مطبوعہ ایم ثناءاللہ خاں اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۶۰ء ، ص ۱۱۲

۲ ( اے حبیب ! ) فرما دیجئے اے اللہ ! اے مالک سب ملکوں کے ! ( ۳:۲۶ )
یعنی حکومت دینے والا وہی ہے ۔ کسی فرد یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت اور عزت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے ۔

۳ اقبال ، علامہ محمد ، جاوید نامہ ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۹ء ، طبع چہارم ، ص ۷۸

۴ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں ( لوگوں کو ) نیکی کا اور روکتے ہیں ( انہیں ) برائی سے ( ۲۲:۴۱ )

۵ نہیں ہے حکم ( کا اختیار کسی کو ) سوائے اللہ تعالٰی کے ( ۱۲:۴۰ )

کرنے کے بجائے مروّجہ نظامِ حکومت کو بدلنا چاہتے تھے ۔ اگر سلطنت اور ملک گیری کی ہوس ہوتی تو وہ اپنے محترم چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے یمن کا رُخ کرتے اور یزید کے مقابلے کے لئے بہتر تن کے بجائے بہتر ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ میں وارد ہوتے ۔ بقول حکیمُ الامّت ؎

مدّعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر
دشمنان چوں ریگِ صحرا لاتُعد
دوستانِ اُو بہ یزداں ہم عدد
سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بُود
یعنے آں اجمال را تفصیل بُود[1]

افسوس ہے کہ جس عظیم مقصد کے لئے امام عالی مقام علیہ السّلام نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور آل و اولاد کو قربان کر دیا ۔ بجائے اِس کے کہ تمام فرقے باہم مل کر مستبدانہ آمریّت کے خلاف جنگ آزما ہوں ، ہم اپنی خود ساختہ سیاسی منصوبہ بندی کے مطابق کام کرتے رہیں اور امام عالی مقام کے نصب العین کو نظر انداز کر دیں تو محض اُن کی ذات کے لئے گریہ و زاری ، نالہ و شیون اور آہ و بکا اور بین کر کے ، اور ان کے قاتلوں یزید ، شمر ، ابن زیاد ، ابن سعد وغیرہ پر لعن طعن کر کے قیامت کے روز نہ تو ہم سیّدالشہداء امام عالی مقام سے کسی داد کی امید رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ عزیز و جبّار ربّ اِس کی کچھ قدر کرے گا ۔

ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ اُن کا مقصد محض حُصولِ اقتدار نہ تھا ۔ اگر بعض لوگوں کا یہ نظریہ مان لیا جائے کہ استحقاق خلافت کے لئے کسی خاندان کا انتخاب اہمیّت رکھتا تھا ، تب بھی سیّدنا حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر امیر معاویہؓ تک پچاس برس کی پوری تاریخ (۱۱ھ تا ۶۰ھ) اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لئے لڑنا اور کُشت و خون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا ۔ صفّین میں بھی مرکزی مسئلہ قصاصِ سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حُصول تھا اور بالآخر اسی امر پر اتفاق ہُوا کہ جو جو علاقے فریقین کے زیرِ تصرّف ہیں ، سرِ دست قانونِ شریعت کے مطابق وہاں حکومت کی جائے ۔ اگلے سال فریقین جمع ہو کر قصاص کے لئے پروگرام مرتّب کریں ۔ جہاں تک قانونِ شریعت کی بالادستی کا تعلق ہے ، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فریقین کے محروسہ ممالک پر شرعی قانون کے متعلق حضرت علی

---

1 اسرار و رموز (اسرار خودی و رموز بے خودی) ص ۱۲۷ ۔ ۱۲۸

المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کا فتوٰی فیصلہ کُن حیثیت رکھتا تھا ۔ لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام عالی مقام اُس وقت اسلامی نظامِ حیات اور اسلامی نظامِ حکومت کی رُوح اور اُس کے مزاج میں ایک زبردست تغیر کے آثار دیکھ رہے تھے اور اسے روکنے کے لئے جِدّوجُہد کو ضروری سمجھتے تھے ۔ حتٰی کہ اس راہ میں جنگ کی نوبت بھی آ جائے تو اسے نہ صرف جائز بلکہ اُسے جہاد فی سبیل اللہ سمجھتے تھے ۔

وہ تغیر کیا تھا؟ مذہب ایک تھا، ملکی قانون بھی شریعت کے مطابق تھا ۔ یہ بات بھی نہ تھی کہ ایک فاسق فاجر شخص حکمران بن بیٹھا تھا ۔ محض اس آدمی کا برسرِ اقتدار آ جانا بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس کے ظالمانہ نظامِ حکومت کے بجائے صرف اس کے ذاتی کردار شرابی بدکار ہونے کو ہی واحد وجہ روکاوٹ سمجھا جاتا ۔ آپ نے اپنے خُطبات میں یزید کے ذاتی کردار کا کہیں بھی خُصوصی ذکر نہیں کیا ۔ وہ ایک غلط نظامِ حکومت مُسلّط کر دینے والے شخص کی مخالفت کر رہے تھے ۔ اگرچہ وہ ایک بد اطوار فاسق فاجر کو بلاشبہ مستحقِ خلافت نہیں سمجھتے تھے ۔ تاہم اصل مقصد ایک ظالم و مستبد حکمران کو ہٹانا تھا ۔

۸ ۔ محرم ۶۰ ھ کو مقامِ بیضاء پر جو آپ نے خُطبہ دیا ہے وہی آپ کے اس جہاد کی بنیاد تھا ۔ ہم جناب کے اس مجاہدانہ موقف سے متعلقہ خُطبہ کو یہاں پر نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

«اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ، صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ مَنْ رَأیٰ سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا حُرَمِ اللهِ نَاكِثًا لِعَهْدِ اللهِ مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ، صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، یَعْمَلُ فِیْ عِبَادِ اللهِ بِالاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ فَلَمْ یُغَیِّرْ مَا عَلَیْهِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَی اللهِ اَنْ یُّدْخِلَهٗ مُدْخَلَهٗ۔اَلَا وَاِنَّ هٰؤُلَاءِ قَدْلَزِ مُوْاطَاعَةَ الشَّیْطَانِ وَتَرَ كُوْاطَاعَةَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْهَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ وَاسْتَاْثَرُوْا بِالْفَیْءِ وَاَحَلُّوْا حَرَامَ اللهِ وَحَرَّمُوْا حَلَالَهٗ ، وَاَنَا اَحَقُّ مَنْ غَیَّرَ ، وَقَدْ اَتَتْنِیْ كُتُبُكُمْ وَرُسُلُكُمْ بِبَیْعَتِكُمْ ، وَاَنَّكُمْ لَاتُسْلِمُوْنِیْ وَلَا تَخْذُلُوْنِیْ ، فَاِنْ تَمَّمْتُمْ عَلٰی بَیْعَتِكُمْ تُصِیْبُوْارُشْدَ كُمْ ، وَاَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ وَابْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، نَفْسِیْ مَعَ اَنْفُسِكُمْ ، وَاَهْلِیْ مَعَ اَهْلِیْكُمْ ، فَلَكُمْ فِیَّ اُسْوَةٌ ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَنَقَضْتُمْ عَهْدِیْ وَخَلَعْتُمْ بَیْعَتِیْ فَلَعَمْرِیْ مَاهِیَ لَكُمْ بِنَكِیْرٍ ، لَقَدْ فَعَلْتُمُوْهَا بِاَبِیْ وَاَخِیْ وَابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ ، وَالْمَغْرُوْرُ مَنِ اغْتَرَّبِكُمْ ، فَحَظُّكُمْ اَخْطَأْتُمْ ، وَنَصِیْبَكُمْ ضَیَّعْتُمْ ، فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَسَیُغْنِی اللهُ عَنْكُمْ ،

وَالسَّلام[۱]"

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ظالم، محرماتِ الٰہی کو حلال کرنے والے، اللہ کے عہد کو توڑنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی مخالفت کرنے والے اور اللہ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی سے حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور اس نے اپنے فعل یا قول کے ذریعے سے غیرت کا اظہار نہ کیا تو اللہ کو حق ہے کہ اُسے اس بادشاہ کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے ۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ ۔ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اور رحمان کی اطاعت ترک کر دی ہے ۔ انہوں نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلا دیا ہے اور حدودِ الٰہی کو معطّل کر دیا ہے ۔ مالِ غنیمت میں یہ لوگ اپنا حصّہ زیادہ لیتے ہیں ۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ۔ اس لئے مجھے غیرت آنے کا زیادہ حق ہے ۔ میرے پاس تمہارے خطوط آئے اور قاصد پہنچے کہ تم نے بیعت کر لی ہے، اور تم مجھے بے یارومددگار نہ چھوڑو گے ۔ اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے تو راہِ راست پر پہنچو گے ۔ مَیں حُسین ابن علی اور ابن فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ۔ میری شخصیّت تم لوگوں کے لئے نمونہ ہے ۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد اور میری بیعت توڑ دو گے تو واللہ یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا ۔ تم اس سے پہلے میرے باپ، میرے بھائی اور میرے ابنِ عَمّ مُسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو ۔ وہ شخص فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکے میں آگیا ۔ تم نے اپنے فعل سے بہت بُری مثال قائم کی ۔ جو شخص عہد توڑتا ہے، وہ اپنے ہاتھ سے اپنا نقصان کرتا ہے ۔ عنقریب مجھے اللہ تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا ۔ وَالسَّلام "۔[۲]

---

۱۔ ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی: الکامل فی التاریخ (جلد چہارم)۔ مطبوعہ دار صادر، بیروت ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء، ص ۴۸

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری: تاریخ الامم والملوک (جلد ششم)۔ مطبوعہ دار القلم، بیروت، ص ۲۲۹

۲۔ عمر ابو النصر: الحسینؑ، اردو ترجمہ: شیخ محمد احمد پانی پتی، مطبوعہ مکتبہ میری لائبریری، لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۱۔۱۰۳

# یزید کے لئے بیعت

تاریخ اسلام میں یزید کی ولی عہدی ایسا واقعہ ہے جس نے پہلی بار خلافت[1] علیٰ منہاجِ نبوّت کے اُصولِ انتخاب سے انحراف کرتے ہوئے ملوکیّت اور قیصریت کے استبدادی رُجحانات کو ہمارے سیاسی تصوّر میں داخل کیا ۔ نامزدگی فی نفسہ کوئی بُری شئے نہیں ، لیکن جب نامزدگی کے خلاف اسلامی شُورائیت کے علم بردار کُھلم کُھلا آواز بلند کریں تو اس سے صرفِ نظر کرنا اور مصلحتِ وقت کی خاطر قوّتِ حاکمہ کا یک طرفہ فیصلہ کر دینا گُوناگوں مفاسد و فتن کے دروازے کھول دیتا ہے ۔ اگر اپنے جانشین کے انتخاب کے سِلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اختلافی نقطۂ نظر کو طے کرنے کے لئے شورٰئ عام کا اجلاس طلب کر کے کوئی فیصلہ کروا لیتے تو اُن کے کردار پر بعض حلقوں کی جانب سے جو آج شکوک و شُبہات کے تہ بہ تہ پردے پڑے ہوئے ہیں ، اس سے وہ نقی الثوب یعنی صاف سُتھرا لباس پہن کر بچ جاتے ۔ انہوں نے جب حضرت عبداللہ بن زبیر ، عبداللہ بن عمر ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور امام عالی مقام جناب حُسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ آپ اس مسئلہ کو اعیانِ اُمّت کے سپرد کر دیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں کیا اسی طرح آپ بھی بلا انتخاب چھوڑ دیں ۔ امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ اُمتِ محمّدیہ میں جناب صدّیق اکبرؓ جیسی ہمہ صفت موصوف کوئی شخصیت اس وقت موجود نہیں ہے جس پر اجماع ہو سکے ۔ پھر کہا گیا کہ نامزدگی ہی کرنی ہے تو پھر سیّدنا صدّیق اکبرؓ کا طرزِ عمل اختیار کرو کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کا نام تجویز کیا جو اُن کے خاندان اور قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا ، اور پھر جب اُن کی نامزدگی کے بعد سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کو ساری اُمت نے قبول کر لیا اور اُن پر بیعتِ عامّہ بھی ہو گئی تو آپ اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اُمّتِ محمدیہ کے کسی بہترین فرد کو جو نہ تو آپ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور نہ قبیلہ سے ، اُسے سامنے لائیں ۔ اس پر امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ اس وقت سیّدنا فاروقِ اعظمؓ جیسا کوئی شخص ہمارے سامنے موجود نہیں جسے مَیں نامزد کروں اور سب اُس کی اطاعت پر متفق ہو جائیں ۔ آپ کوئی اور صورت بتاؤ ۔ اس پر اُنہیں کہا گیا کہ آپ حضرت سیّدنا

---

١ خلافت ایک ایسی نیابتی حکومت ہے۔ جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔ اور اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک خلیفہ کتاب و سنت کی پوری پوری پابندی کرتا ہے۔ اس کی اطاعت اور فرماں برداری ضروری ہے۔ مگر جب وہ آئین اسلام سے ہٹ جائے تو اسے خلیفہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ۔۔ حکومت جس کی بنیاد جبر اور شخصیت پرستی پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔

فاروقِ اعظمؓ کی طرح ایک ایسی مجلسِ انتخاب مقرر کر دو جو اُمّت کے سربرآوردہ اکابر پر مشتمل ہو ۔ یہ کمیٹی اپنے میں سے بہترین فرد کو منتخب کر لے ۔ اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ ایسے افراد پر مشتمل مجلسِ انتخاب کی تشکیل بے حد مشکل ہے ۔ آپ حضرات موجودہ مخصوص حالات میں مجھے مشورہ دو ۔ ۱

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اکابرِ اُمّت کے خیالات سُنے تو خاموش ہو گئے اور اس وقت یزید کی ولی عہدی کا اعلان نہ کیا ۔ قبل ازیں بھی اُنہوں نے فرداً فرداً حضرت عبداللہ بن عبّاس ، حضرت عبداللہ بن جعفر ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے مشورہ کیا ۔ اُنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے اتفاق نہ کیا ۔ بلکہ عبداللہ بن زبیر نے تو خُطبۂ مسنونہ کے بعد امیر معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ۔

"اما بعد ۔ بے شک یہ خلافت قریش ہی کے لئے مخصوص ہے جس کو اُنہوں نے اپنی تابندہ شرافتوں ، پسندیدہ کارناموں اور اِسی کے ساتھ اپنے آباء کی بزرگی اور انبیاء کی عزّت و تکریم سے حاصل کیا ۔ اے معاویہ ! اللہ سے ڈر ، اپنے آپ سے انصاف کر کہ عبداللہ بن عبّاس ، رسول اللہ کے چچا کا بیٹا ہے اور مَیں (عبداللہ بن زبیر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پُھوپھی کا بیٹا ہوں ۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے حسن اور حُسین کو چھوڑا ہے ۔ اور تُو جانتا ہے کہ وہ دونوں کون ہیں اور کیا ہیں ؟ اے معاویہ ! اللہ سے ڈر کہ وہی آپ کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے"۔ ۲

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کو مُسترد کرتے ہوئے امیر معاویہ کو جواب دیتے ہوئے خُطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا :

"اما بعد ۔ ہماری خلافت ہرقل یا قیصر یا کسریٰ کی جانشینی نہیں ہے کہ بیٹوں کو باپوں سے ورثہ میں حاصل ہو جائے ۔ اگر ایسا ہوتا تو اپنے باپ کے بعد مَیں ہی خلیفہ بنتا ۔ لیکن قسم اللہ کی ! مجھے اِس بنا پر ہی چھ اصحابِ شُوریٰ میں شامل نہیں کیا گیا کہ خلافت کسی شرط سے مشروط نہیں ہے ۔ بلکہ وہ قریش میں سے خاص طور پر اُس کے لئے ہے جو اس کا اہل ہو ، جس کو مسلمان اپنی طرف سے خلافت کے لئے منتخب کریں اور جو زیادہ پرہیز گار اور عوام کا پسندیدہ

---

۱۔ علامہ اسلم جیراجپوری: تاریخ الامت (جلد سوم، خلافت بنی امیہ)، مطبوعہ ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور ۱۹۷۵ء۔ طبع ثانی، ص ۳۵۔۳۶

۲۔ محمد رضا مصری: الحسن و الحسین، اردو ترجمہ: محمد وحید السلام عرفانی، مطبوعہ مکتبہ پاکستان، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۹۶

ہو ۔ پس اگر تُو قریش کے نوجوانوں کا ارادہ رکھتا ہے تو مجھے میری عُمر کی قسم کہ یزید قریش کے نوجوانوں سے ہے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ تیری کچھ بھی پروا نہیں کرے گا "۔ ۱

ان حضرات سے استصوابِ رائے کے وقت امیر معاویہ نے خُطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا تھا : ۔

"امابعد ۔ مَیں آپ کے سامنے ہوں ، میری عمر بڑی ہوگئی ہے ، میری ہڈیاں ڈھیلی پڑگئی ہیں اور میری موت قریب آگئی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ مَیں جو دعوت دوں گا ، وہ قبول کی جائے گی ۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اپنے بعد یزید کو تم پر خلیفہ بناؤں اور اس کے لئے تمہاری رِضا مندی حاصل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تم عبادلۂ قریش اور اس قوم کے بہترین افراد ہو اور بہترین لوگوں کی اولاد ہو ۔ مجھے حسن اور حُسین کو مدعو کرنے سے کسی چیز نے نہیں روکا مگر یہ کہ وہ علی کے فرزند ہیں ۔ اِن دونوں کے متعلق میری رائے اچھی ہے اور مجھے دونوں کے ساتھ بڑی محبّت ہے ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ۔ امیرالمؤمنین کو بہتر جواب دو"۔ ۲

## عبادلۂ اربعہ رضؓ کے کلام پر معاویہ رضؓ کی تعقیب

جب ان حضرات کی جانب سے یزید کی ولی عہدی کی تردید ہوگئی تو امیر معاویہؓ نے کہا :۔

"بے شک مَیں نے کہا اور تم نے بھی کہا اور حقیقت یہ ہے کہ باپ جا چکے ہیں اور اولاد بس باقی رہ گئی ہیں ۔ میرا بیٹا یزید مجھے سب کے بیٹوں سے پیارا ہے ۔ باوجود اس کے کہ اگر تم اس کے بارے میں تفتیش کرو تو اس میں کلام کی گنجائش پا سکتے ہو ۔ خلافت کا یہ معاملہ بنی عبد مناف کے لئے تھا ۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ہیں ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گزر گیا تو لوگوں نے خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کو سونپی ۔ ۔ ۔ ان دونوں کی عادات و سیرت بہت اچھی تھی ۔ پھر خلافت ، بادشاہی بنی تو عبد مناف کو لوٹی اور قیامت تک ان ہی میں رہے گی ۔ اے ابن زبیر اور ابن عمر ! تم دونوں کو اللہ

---

۱۔ الحسنؓ والحسینؓ : ص ۹۷

۲۔ ایضاً : ص ۹۲، ۹۳

تعالیٰ نے اس سے نکال دیا ۔ رہے میرے چچا کے بیٹے تو وہ دونوں انشاءاللہ میرے حق میں رائے دینے سے گریز نہیں کریں گے"۔۱

اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے اِن حضرات کو چلے جانے کا حکم دیا اور یزید کی بیعت کے ذکر سے اعراض کیا ۔ پھر وہ ملکِ شام کو واپس چلے گئے اور بیعت کے معاملہ میں خاموش رہے ۔۲

اکابر صحابہ عبادلہ اربعۃ کے علاوہ امیر معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کے بارے اپنے گورنروں مغیرہ بن شعبہؓ، عمروبن العاصؓ، ضحاک بن قیس فہری، احنف بن قیس، عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی، عبداللہ بن سعد الفرازی، ثوربن معن سلمٰی اور عبداللہ بن عصام الاشعری سے رائے طلب کی ۔ ان سب نے بجُز احنف بن قیس، یزید کی ولایت عہد کی تائید کی ۔ احنف بن قیس نے مخالفت کی اور یہاں تک کہہ دیا :

"جان لے کہ تیرے لئے، اللہ کے پاس کوئی حُجّت نہ ہوگی اگر تُو نے حسن اور حُسین پر یزید کو فوقیت دی جب کہ تو جانتا ہے کہ وہ کون ہیں"۔۳

اکابر صحابہ کی مخالفت کے باوجود امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیا اور اُسے وصیّت کی کہ "مَیں نے تیرے لئے تمام راستے ہموار کر دیئے اور عرب کو تابع فرمان اور دشمنوں کو مغلوب بنا لیا ۔ اہلِ حجاز کا خیال رکھنا کیونکہ وہی ہمارا گہوارہ ہے ——— اہلِ شام پر نظر رکھنا ۔ یہ تیرے وفادار اور مددگار ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں اُنہیں سے کام لینا ——— خلافت کے معاملہ میں بجُز چار شخصوں کے مجھے اور کسی کا خوف نہیں ہے کہ وہ تیرے مقابلہ میں آئے ۔ عبداللہ بن عمر، حُسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن[۴] بن ابی بکر ——— حُسین بن علی سادہ مزاج ہیں ۔ اہلِ عراق اُنہیں ضرور تمہارے مقابلے میں لاکر رہیں گے ۔ اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو درگذر سے کام لینا ۔ کیونکہ وہ ہمارے قریبی عزیز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، اُن کا ہم پر بڑا حق ہے"۔ عبداللہ بن زبیر کے لئے خصُوصی تاکید کی کہ "اگر وہ مقابلے کرے اور تجھ کو اس پر دسترس ہو جائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو، قوم کو عام خون ریزی سے بچانا"۔

---

۱۔۔۔ الحسنؓ والحسینؓ : ص۹۸،۹۷

۲۔۔۔ ایضاً: ص۹۸ ۳۔۔۔ ایضاً: ص۹۱

۴۔۔۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ۵۸ھ میں امیر معاویہؓ سے پہلے انتقال کر گئے۔

ابوزید عبد الرحمان ولی الدین المعروف بہ ابن خلدون (۷۳۲ھ - ۸۰۸ھ/۱۳۳۲ء-۱۴۰۶ء) نے یزید کی ولی عہدی کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حکومت کے لئے مدعیٔ اقتدار کے پاس دو صفات کا ہونا ضروری ہے ۔ اوّل اہلیّت و استحقاق اور دوم مادّی تائید و حمایت ۔

امیر معاویہؓ کا شام میں کافی عرصہ تک گورنر رہنا ، اور پھر حضرت امیرالمؤمنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے بعد بذریعہ مصالحت مابین معاویہ و حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) مستقل طور پر ساری مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ بن جانے کی وجہ سے دمشق ہر لحاظ سے سیاست کا مرکز بن گیا تھا اور بنُو اُمیّہ ، اسلامی سلطنت میں اہم عہدوں پر تعینات کر دیئے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا اثرو رسوخ سارے عالمِ اسلام میں زبردست اہمیّت رکھتا تھا ۔ اس کے مقابلے میں حسنین کریمین کی زندگی عبادات ، ریاضات ، زہدو تقویٰ ، داودہش ، عطا و سخا میں بسر ہوتی رہی ۔ وہ نہ کسی صوبے کے گورنر بنے اور نہ ہی حکومت کے اندر کوئی عہدہ قبول کیا۔ نتیجتًا وہ عملی سیاسیات سے بے نیاز رہے ۔ بنابریں جہاں تک اہلیّت و استحقاق کا تعلق ہے ، وہ ہر لحاظ سے اعلیٰ مقام پر تھے ۔ یزید کا اُن سے اس باب میں کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا ۔ مگر بقول ابن خلدون عصبیّت اور مادّی طاقت ____________ (Communal Sense or Material Power) ، بنُو اُمیّہ کے پاس رہنے کی وجہ سے امیر معاویہ کی جانب سے یزید کی نامزدگی کے لئے کافی گنجائش نکل سکتی تھی ۔ علاوہ ازیں دنیاوی علائق اور آلودگیوں نے لوگوں کو اعلیٰ رُوحانی قدروں کے معیار پر کسی کو پرکھنے کا جذبہ کمزور کر دیا تھا ۔ اِس لئے ملک میں اس نامزدگی کے خلاف کوئی تحریک نہ اُٹھی ۔ تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے گورنروں اور ہوا خواہوں کے مشورے پر اپنے بیٹے کو نامزد کرنا ایک ایسا اقدام تھا جسے کسی نے پسند نہ کیا ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن اکابر صحابہ نے یزید کی نامزدگی کو مُسترد کیا تھا ، وہ میدان میں کیوں نہیں نکلے ۔ اُنہوں نے اُس عزم بالجزم اور متہورانہ جرأت کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا ، جو حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ کی ذات سے ظلم اور جبر کے خلاف وجود میں آیا ۔ کیا یہ لوگ مقابلے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے یا کوئی مصلحتیں دامن گیر تھیں ۔ جہاں تک مَیں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے ، اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان حضرات کو اوّل تو کسی جانب سے قیادت کرنے کی دعوت نہیں ملی تھی ۔ دُوسرے حضرت امام عالی مقام نے اُن میں سے کسی کو اپنے ہمراہ لے جانے پر مجبور نہ کیا ۔ تیسرے یہ حضرات کوفیوں کی متلوّن مزاجی ، ابنُ الوقتی ، خود غرضی ، جاہ طلبی اور برسرِ اقتدار قوت سے نبرد آزما ہونے میں توقف اور انجام و عواقب پر نظر رکھنے کی وجہ سے سیاسی بصیرت کی روشنی میں کوفیوں کے غدر و نفاق اور انحرافی خصلتوں

کی وجہ سے باہر نہ نکلے ۔ بلکہ امام عالی مقام کو کوفہ جانے سے روکا ۔ روکنے والوں میں عبدالرحمٰن بن حارث ، عبداللہ بن مطیع ، حضرت عمر بن عبدالرحمٰن ، حضرت عبداللہ بن عباس ، حضرت عبداللہ بن عمر ، حضرت عبداللہ بن زبیر ، حضرت ابو سعید خدری ، حضرت جابر بن عبداللہ ، حضرت ابوواقد لیثی ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار ، امام محمدؒ بن حنفیہ ، عمرو بن سعید حاکمِ مدینہ اور ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اسماء گرامی سرِ فہرست ہیں ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک تاکید کی کہ "میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اس ارادے سے باز آئیں اور اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں ۔ اگر اہلِ عراق ، جیسا کہ اُن کا دعوٰی ہے آپ کے حامی اور مددگار ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیں اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیں ۔ اس صورت میں آپ بڑی خوشی سے وہاں تشریف لے جائیں ۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا امیر موجود ہے ، اس کی حکومت قائم ہے اوراس کے عمّال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین جانیئے کہ انہوں نے آپ کو محض جنگ کے لئے بلایا ہے تاکہ آپ کو لڑائی میں جھونک دیں اور خود آپ کو دھوکہ دے کر بے یارومددگار چھوڑ کر علیٰحدہ ہو جائیں ، انہوں نے آپ کے والد اور بھائی سے بھی یہی سلوک کیا تھا"۔[۲]

عبداللہ بن جعفرؓ نے مزید تاکید کرتے ہوئے مشورہ دیا ۔ "میں آپ کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ جُونہی میرا خط[۳] آپ کو ملے ، آپ لوٹ آئیے کیونکہ جس جگہ آپ جارہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلِ بیت کی بربادی ہے ۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دُنیا تاریک ہو جائے گی ۔ کیونکہ اس وقت آپ ہی ہدایت یافتہ لوگوں کا علم اور مومنوں کی امیدوں کا مرکز ہیں ۔ آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے ، مَیں بھی آپ کے پاس پہنچتا ہوں"۔[۴]

---

۱۔ حضرت محمد بن حنفیہ ، حضرت علی کے فرزند تھے ، مگر ان کی والدہ ، حضرت فاطمہؓ نہ تھیں ۔ حضرت علی مرتضیٰ ان سے محبت کرتے تھے۔

۲۔ الحسینؓ : ص ۸۸ ، آئینۂ قیامت : ص ۱۷ ـ ۱۸ ، الحسنؓ والحسینؓ : ۱۵۴ ،

ابن کثیر: البدایۃ والنھایۃ (جلد ۸) ، طبع ثانی مکتبہ المعارف ، بیروت ۱۳۹۴ھ : ۱۹۷۴ء ، اردو ترجمہ : ہدایت اللہ ندوی : شہیدِ کربلا ، مطبوعہ میاں چنوں ۱۹۸۶ء ، ص ۲۸

۳۔ یہ خط لکھنے کے بعد عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید امیر حرمین سے کہا کہ وہ بھی اپنی جانب سے ایک خط لکھ کر حضرت حسینؓ کو واپس بلالے ۔ چنانچہ یہ خط لکھا گیا جس میں آپ سے سفر عراق ملتوی کرنے کی التجا کرتے ہوئے ان کے ساتھ صلہ رحمی ، ہمدردی اور نیکی سے پیش آنے کا وعدہ کیا گیا۔

۴۔ الحسینؓ : ص ۹۰ ، الحسنؓ والحسینؓ : ص ۱۵۸ ، ۱۵۹

عبداللہ بن مطیع نے کہا "میں اسلام اور قریش کی حُرمت کے لئے آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس ارادے سے باز آئیے۔ اگر آپ نے خلافت کا دعوٰی کیا جو اس وقت بنُواُمیّہ کے ہاتھ میں ہے تو آپ ضرور شہید کر دیئے جائیں گے۔ اگر بنُواُمیّہ نے آپ کو شہید کر دیا تو آپ کے بعد وہ کسی سے بھی ڈرنے والے نہیں۔ اس طرح قتل و غارت کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا"۔۱

# امامؓ عالی مقام کا مُسکت جواب

عبداللہ بن جعفر جب گورنر مدینہ کا خط (امان نامہ) لے کر حضرت حُسینؓ کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے اسے پڑھا اور پڑھ کر فرمایا:

"مَیں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ مَیں وہ کام ضرور انجام دوں گا۔ خواہ اُس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو"۔

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا۔ وہ کام کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا:

"وہ نہ مَیں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا۔ جب تک اپنے ربّ کے حضور میں حاضر نہ ہو جاؤں"۔۲

اب یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ آج تک نہ تو کسی مؤرّخ نے، نہ کسی وقائع نگار نے، نہ کسی عالمِ دین نے اور نہ کسی مجتہد اور نہ کسی شیعہ محقّق نے بتایا ہے کہ وہ خواب کیا تھا؟ وہ کیسے بتا سکتے تھے جب امام عالی مقامؓ نے یہ شرط عاید کر دی کہ مَیں تا قیامِ قیامت کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کروں گا۔

مَیں نے بھی اس مسئلہ پر بہت غور کیا اور سیدالشہداءؓ کے سفرِ عراق جاری رکھنے کے لئے میرے پاس کوئی دلیل موجود نہ تھی اور تمام مؤرّخین کی طرح اسی نقطۂ نگاہ کا حامل ہوگیا کہ جب

---

۱۔ الحسینؓ: ۹۳، شہید کربلاء: ص ۳۴، آئینہ قیامت: ص ۱۲، ۱۳

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۸)، مطبوعہ دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۳۹۳ھ: ۱۹۷۳ء، ص ۳۲۷
آئینہ قیامت: ص ۱۸، شہید کربلاء: ص ۳۷، ۴۵

آقائے دو جہاں ، سرورِ انس و جاں ، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لختِ جگر سیّدِ شبابِ اہلِ جنّت کو ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے اور اُس کی تکمیل کے لئے جامِ شہادت نوش کرنے کا بھی اشارہ کر دیا ہے تو ہمیں اس کی جستجو کرنے اور وجہ دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ لیکن ایک دن اچانک میری نگاہ حضرت امام کے خُطبۂ مقامِ بیضاء (۸ محرم ۶۰ھ) پر پڑ گئی ۔ مَیں نے اسے پڑھا اور بین السّطور میں حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی تو یکایک مذکورہ خُطبہ میں پیش کردہ یہ حدیث ——————————

"منْ رأى سلطانًا جائرًا مستحلًّا لحُرم الله ناكثًا لعهد الله مخالفًا لسنّة رسول الله ، صلی اللہ علیہ وسلم ، يَعمل في عباد الله بالإثم والعُدوان فلم يغيّر ما عليه بفعلٍ ولا قول كان حقًّا على الله أن يُدْخله مُدخله" (جو کوئی ایسے حاکم دیکھے جو ظلم کرتا ہے ، خدا کی قائم کی ہوئی حد ـ س توڑتا ہے ، عہدِ الٰہی کو شکست کرتا ہے اور خدا کے بندوں پر بھی گناہ و سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے ، تو خدا کو حق ہے کہ اُسے بھی اس حکمران یا بادشاہ کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے) جب سامنے آئی تو تمام مشکلات حل ہو گئیں اور پتہ چل گیا کہ جب حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لختِ جگر کو ظلم و جبر کے خلاف صف آرا ہونے اور خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کی خصوصیات کے تحفّظ کا حکم دے رہے ہیں تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں روک سکتی تھی ۔ علم الیقین اور حق الیقین کی منزلیں طے کرنے کے بعد جب وہ عین الیقین تک پہنچ گئے اور "ذات راہ بے پردہ دیدن زندگیست" کے اسرار و رمُوز سے آگاہ ہو گئے تو پھر اُنہیں کون روک سکتا تھا۔

معترض سوال کر سکتا ہے کہ جب آپ کو امام مُسلم بن عقیلؓ کے پیغام کی حامل عبدالرحمٰن بن اشعث کی تحریر مل گئی اور محبِّ اہلِ بیت شاعر فرزدق کا بھی دو ٹوک جائزہ معلوم ہو گیا تو پھر آپ آگے کیوں چلے گئے ۔ بے شک آلِ مُسلم قصاص کے لئے اصرار کر رہے تھے اور جان دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے تو آپ نے انہیں کیوں نہ سمجھایا ۔ اس کا جواب آسان ہے ۔ اوّل تو وہ آلِ عقیل کے مطالبۂ قصاص کو پُوری پُوری اہمیّت دیتے تھے ۔ دُوسرے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سپرد کردہ ڈیوٹی سرانجام دینا اپنا مقدّس مشن سمجھتے تھے ۔

---

امام عالی مقام کی کوفہ روانگی اور باوجود اکابرِ اُمّت اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے اس سفر سے روکنے کے لئے نہایت ہی وزنی دلائل پیش کرنے کے وہ مدینۃ المنورہ سے مکۃ المکرمہ اور پھر وہاں سے کوفہ کی طرف کیوں چلے گئے ۔ اس کے بعد جو مصائب و آلام اُنھیں ، اُن کے عمّ زاد مسلم بن عقیل ، مخلص مُتّبعین کو اُن کے ہوا خواہوں کے مشوروں اور التجاؤں کو مُسترد کرنے کی وجہ سے پیش آئے ، اس کی بابت مؤرّخین نے کلام کیا ہے ۔ بعض نے کھلم کھلا اور بعض نے دبی زبان سے تنقید کی ہے ۔ خوارج اور ناصبیوں نے تو اس اقدام کو خروج اور بغاوت کا نام دیا[1] ۔ بعض نے نادانی اور عاقبت نا اندیشی کا الزام لگایا ہے اور بعض نے ان کے مجموعی طرزِ عمل کو مجتہدانہ رائے زنی کے ساتھ ساتھ ظلم و جبر کے خلاف اسے جہاد کا نام دیا ۔ جامعہ مصر کے استاذُ التاریخ اور "تاریخ الامم الاسلامیہ" کے مصنّف محمد خضری بک (۱۲۸۹ھ ۔ ۱۳۴۵ ھ/۱۸۷۲ء ۔ ۱۹۲۷ء) نے ناقدانہ انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے :

"یہ اس غمگین واقعہ کی انتہائی صُورت ہے ۔ یہ حادثہ وہ ہے جو سوچ سمجھے اور تیاری کئے بغیر ظہور میں آیا ۔ کیونکہ حُسینؓ نے اپنے سب مشیروں کی رائے ٹھکرا دی اور اہلِ عراق کے متعلق حُسنِ ظن قائم کر لیا ۔ حالانکہ وہ اس کے باپ کے ساتھی تھے اور اس کا باپ اس سے بہتر تھا ۔ اس کی لوگوں میں بہت زیادہ عزّت تھی اور پھر لوگوں کی گردنوں پر اس کی بیعت کا پٹہ بھی تھا ۔ اس کے باوجود انہوں نے ان کو کچھ نفع نہیں دیا تھا۔ حتّٰی کہ انہوں نے زندگی کے اخیر میں ان سے علیحدگی کی خواہش کی ۔ لیکن حُسینؓ کی تو انہوں نے بیعت بھی نہیں کی تھی اور پھر عراق میں یزید کے عمّال اور امراء موجود تھے ۔ اس لئے حُسینؓ بعض فتنہ پردازوں اور شرپسندوں کے خطوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے اہل و اولاد کو اُٹھا کر ایک ایسی قوم کی طرف چل دیئے ، جن کا کوئی عہد ہی نہیں ہے ۔ اور دیکھو کہ جس گروہ نے اُن سے جنگ کی وہ کیسے مرتّب ہُوا ؟ وہ سارا لشکر عراقیوں ہی کا تھا اور حد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شیعانِ علی کہتے تھے ۔ بہر حال حُسینؓ نے اِس خروج میں بڑی خطا کی ہے جس نے ساری اُمّت کو لپیٹ میں لے لیا ہے اور تفرّقہ و اختلاف رونما ہو گیا ۔ اِس سے الفت کا ستون اپنے زور سے ہل گیا کہ آج تک ہل رہا ہے ۔ بہت سے لوگوں نے اس حادثہ پر کتابیں

---

1. ناصبی فرقہ (جو بغض علی کو دین قرار دیتا ہے) ، جس کو بنیاد اہل بیت کی عداوت پر ہے ۔ اس رائے میں انتہا پسند واقع ہوا ہے ۔ کہ وہ یزید کو امیر المومنین یزید رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا امام حسینؓ کو باغی کہتا ہے ۔

لکھیں ، مگر سب نے اسی ارادہ سے لکھیں کہ دلوں میں نفاق کی آگ اور زیادہ بھڑکے ۔ چنانچہ ان سے وہ دُوری اور سخت ہو گئی ۔

اس معاملہ کی غایت یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی حکومت بنانا چاہی جو اس کے لئے تیار نہ ہوئی اور نہ اس کا لشکر اس کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان رکاوٹ پیدا ہو گئی اور وہ اپنے دُشمن سے قتل ہو گیا ۔ اس سے پہلے انہوں نے اس کے باپ کو بھی قتل کر ڈالا ۔ لیکن کسی لکھنے والے کے قلم نے ان کے قتل کے معاملہ کو بدمزہ نہیں بنایا اور نہ اس کی وجہ سے عداوت کی آگ اور زیادہ بھڑکی ہے ۔ آخر سب کے سب اپنے ربّ کے پاس چلے گئے اور جو کچھ انہوں نے کیا ، اس کے لئے ان کا حساب لیا جائے گا ۔

(نتیجتاً) تاریخ اس سے یہ عبرت لیتی ہے کہ جو شخص بڑے کاموں کا ارادہ رکھتا ہو اسے حسبِ حال اپنا لشکر لئے بغیر نہیں چل دینا چاہئے اور نہ تلوار اُٹھانی چاہئے جب تک اس کے ساتھ اتنی قوّت نہ ہو جو اس کی کامیابی کی کفالت کر سکے یا کم از کم اس کے قریب کی قوّت نہ ہو ۔ یہ نہایت ضروری تھا کہ اُمّت کی بہتری کے لئے حقیقی اسباب مہیّا ہوں ، کیونکہ یہاں ظلم بالکل ظاہر تھا جو برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا اور سخت ظلم جسے کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کیا جاتا تھا۔ حُسینؓ نے یزید کی مخالفت کی ، حالانکہ لوگوں نے یزید کی بیعت[1] کر لی تھی اور مخالفت کے اظہار کے وقت اس سے ظُلم و تشدّد ظاہر نہیں ہُوا تھا"۔[2]

ہم نے اس قسم کے تمام اعتراضات کا مختصراً جواب تحریر کر دیا ہے ۔ تاہم تاریخ الامم الاسلامیہ کے مصنّف کی جانب سے پیدا کردہ شکوک و شُبہات کے ازالہ کے لئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حادثۂ کربلا کی بابت جو لوگ اعتراض کرتے ہیں اور اپنے عقلی پیمانوں سے نتائج

---

۱۔۔۔۔ "یزیدیوں نے جب یزید کی امامت و خلافت کا علم بلند کیا تو اہلِ حق کے مقابل میں انہوں نے یہی دلیل پیش کی تھی کہ سارے ملک نے یزید کی امامت تسلیم کر لی ، اجماع ہو گیا۔ صرف چار شخص ہیں جو اس کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

لب وہ اجماع جو یزید کی امامت پر ہوا تھا کیسا خائب و خاسر ہوا۔ باوجود اس کے کہ میدان کربلا میں یزیدیوں نے بعد شہادت شہزادہ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام فتح کے نقارے بھی بجائے ، دودمان نبوت کو جس طرح چاہا اسیر کیا۔ لیکن آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ یزیدیوں پر خدا نے ایسی لعنت بھیجی کہ آج تک اس کا سلسلہ نہ منقطع ہوا نہ قیامت تک منقطع ہو۔۔۔

(النور از سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء ۔ ص ۲۲۷ و ۲۲۸)

۲۔۔۔۔ تاریخ الامم الاسلامیہ بحوالہ محمد رضا مصری: الحسنؓ والحسینؓ: ص ۲۵۵ ۔ ۲۵۶ ۔

مرتب کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ سارا حادثہ عقل و عشق کی ابدی آویزش سے پیدا ہُوا ہے ۔ حکیمُ الاُمّت نے سرِ حادثۂ کربلا میں عقل و دل کی کشمکش کو یُوں واضح کیا ہے ؎

عقل را سرمایہ از بیم و شک است　　عشق را عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تاویراں کند　　ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل میگوید کہ خود را پیش کن　　عشق گوید امتحانِ خویش کن[1]

اور

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات![2]

میں رازِ عشق کو بے حجاب کر دیا ۔

پہلی چیز جو مخالفین و موافقین دونوں کے پیشِ نظر رہنی چاہئے ، وہ یہ ہے کہ اسلامی سلطنت میں صدقِ مقال اور آزادیٔ گفتار وُہ بنیادی انسانی حق ہے جو کسی وقت بھی معطّل نہیں ہوتا ۔ امام عالی مقام اسلامی نظریۂ سیاست کو پیش کرنے کے لئے آزاد ماحول کے متلاشی تھے اور اپنے نقطۂ نگاہ کی تائید و حمایت کے لئے ہر جگہ سے رفقاء و معاونین تلاش کرنا چاہتے تھے ۔ حرمین شریفین کے اکابرِ اُمّت اور اعزا و اقارب نے کوفہ جانے سے روکا ، بلانے والوں کی منافقت اور بے ضمیری سے آگاہ کیا ۔ لیکن حُریّتِ کاملہ کے لئے ان کے موقف سے کوئی اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی ہمراہ جانے پر آمادگی ظاہر کی ۔ دُوسری طرف سیّدالشہداء امام عالی مقام نے ان میں سے کسی کو رفاقت پر مجبور نہیں کیا۔ اس طرزِ عمل سے مخلصانہ مشورہ دینے والے برملا دعوتِ حق دینے کے پابند نہ رہےاور نہ ہی امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے پیچھے رہ جانے پر کسی قسم کا اعتراض کیا ۔ ہم عام زندگی میں دیکھتے ہیں بلکہ ملک کی کئی سیاسی تحریکوں میں اس کا تجربہ کیا ہے کہ جس جگہ سے کسی مبلّغ ، خطیب یا داعی الی الحق کو لوگ اپنے ہاں یہ کہہ کر آنے کی دعوت دیں کہ ہمارا کوئی امام اور راہبر نہیں اور نہ ہی موجودہ مشکل حالات میں کوئی نجات دہندہ ہے ۔ خدا کے لئے ہمارے ہاں تشریف لائیے ۔ ہماری دستگیری کیجئے اور ظلم و جبر اور طغیان و فساد کی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہماری قیادت کیجئے تو ہر صاحبِ دل ، صاحبِ بصیرت جری اور غیرت مند سیاسی اور مذہبی راہنما کا فرضِ منصبی بن جاتا ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے توصیۃ بالحق اور توصیۃ بالصبر کی

---

[1] اسرار و رموز (اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی) : ص ۱۲۵، ۱۲۶

[2] بالِ جبریل، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۵ء ۔ اشاعت بیسویں، ص ۱۱۲

ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو۔

میری اپنی ذاتی سیاسی زندگی میں ایسے کئی مواقع پیدا ہوئے جب کہ مجھے نظریۂ پاکستان کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جانا پڑا۔ بعض جگہ ایسے تلخ تجربات بھی ہوئے کہ مجمع میری تقریر سُننے کے بجائے مخالفت، مزاحمت اور ہاتھا پائی پر اُتر آنا چاہتا تھا۔ لیکن مَیں نے اللہ کے فضل و کرم سے مخالفین کے شکوک و شُبہات، مطاعن و اعتراضات کے ایک ایک نکتے کو مجمع کے سامنے پیش کیا، اُن کے دلائل بھی گِنوائے اور پھر سب کا ایک ایسا مُسکت اور دنداں شکن جواب دیا کہ وہی مجمع جو دنگہ اور فساد پر آمادہ ہو چکا تھا یک لخت ہمنوا بن گیا۔ صداقت خود ایک بڑی طاقت ہے۔ اب ذرا سیدنا امام عالی مقام کے گردو پیش پر نگاہ ڈالیں اور ماحول کو سامنے رکھیں تو آپ خودبخود اس امر کے قائل ہو جائیں گے کہ آپ کا کوفیوں کی دعوت پر روانہ ہو جانا کتنا ضروری تھا۔ کوفیوں نے جو ہزارہا خطوط تحریر کئے، اُن میں سے مندرجہ ذیل خط کا مطالعہ کرنے کے بعد بتائیے کہ ایسے خطوط کو نظرانداز کرنا کتنی بڑی سیاسی، مذہبی اور اخلاقی فروگذاشت تھی۔

یہ خط سلیمان بن صرد خزاعی، مسیّب بن نجیہ، رفاعہ بن شداد بجلی، حبیب بن مظاہر، عبداللہ بن وال اور اُن کے مومن مددگاروں کی جانب سے بذریعہ عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال، حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ پھر دو راتوں کے بعد (۱۲ رمضان المبارک ۶۰ھ کو) اُنہیں دُوسری بار ایک سو پچاس خطوط لکھے۔ تیسری دفعہ بھی لا تعداد خطوط لکھ کر حضرت امام حُسینؓ کے وہاں آنے پر اصرار کیا۔ خطوط لکھنے والوں میں مندرجہ بالا اشخاص کے علاوہ شیث بن ربعی، حجاز بن البجر، قیس بن اشعث، زید بن الحارث، یزید بن رویم، عروہ بن قیس، عَمرو بن الحجاج، عبداللہ بن شداد، عمارہ بن عبداللہ سلولی، عبدالرحمان بن عبداللہ، ہانی بن ہانی سُبیعی، سعیدؒ[1] بن عبداللہ الحنفی، محمد بن یحییٰ اور محمد بن عمیرا لتمیمی وغیرہ کے نام بھی شامل ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُسین بن علی امیر المؤمنین کے نام

"اللہ آپ پر سلامتی نازل فرمائے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے اس دُشمن کو موت کی نیند سُلا دیا ہے جو انتہائی سرکش اور ظالم تھا، جس نے اُمت کا نظام درہم برہم کر دیا اور لوگوں کی مرضی کے خلاف اُن پر حکومت کی۔

۱؎ دعوتی خطوط لکھنے والوں میں سے حضرت سعید بن عبداللہ حنفی علیہ الرحمہ میدان کربلا میں امام حسینؓ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

اُمت کے نیک لوگوں کو شہید کیا اور شرپسندوں کو ساتھی بنایا، اللہ کا مال ساتھیوں اور رشتہ داروں میں بے دریغ لٹایا۔ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں۔ امیرِ کوفہ نعمان بن بشیر سرکاری محل میں ہے، اس کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں نہ عید کی۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اُسے شام کی حدود میں دھکیل دینگے۔ والسلام علیک و رحمتہ اللہ و برکاتہ یا ابن رسول و علیٰ ابیک من قبلک۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔[۱]

ان خطوط کے بعد ایک اور خط لکھا جو یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الی الحسین بن علی من شیعتہ من المؤمنین والمسلمین،

اما بعد۔ فقد اخضرت الجنات وانیعت الثمار واعشبت الارض واورقت الاشجار فاذاشئت فاقبل علی جندلک مجندۃ۔ والسلام۔

یعنی بوستان ہاسبز وریان گشت و میوہ ہابر سید و زمین گیاہ برویانید و درختان برگ بر آورند، وقت است کہ اقبال فرمائی بجانب سپاہی کہ بہر خدمت تو تجہیز شدہ"[۲]

"زمین سرسبز ہو چکی ہے، پھل پک چکے ہیں، آپ کی مدد کے لئے لشکر تیار ہے"[۳]

---

۱۔ الحسینؑ: ص ۵۵، الحسنؑ والحسینؑ: ص ۱۳۵

۲۔ محمد تقی میرزا اسپہر لسان الملک، ناسخ التواریخ (جلد ششم، حسین بن علی)، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر، قم۔ ص ۱۶۸

۳۔ الحسینؑ: ص ۵۶، شہید کربلا: ص ۱۳

## قابلِ غور پہلو

یہاں پر یہ نکتہ انتہائی قابلِ غور ہے کہ خطوط لکھنے والے اور بصد اصرار و تکرار کوفہ میں آنے کی دعوت دینے والے تمام کے تمام اہلِ شیعہ تھے ۔ اُن لوگوں نے آپ کو بُلایا اور پھر بُزدلانہ اور نامردانہ کردار کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف اپنے ارسال کردہ دعوت ناموں سے منحرف ہو گئے بلکہ یزیدیوں کے ساتھ مِل کر میدانِ کارزار میں آپ کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے۔[۱] یہ بیان کسی عام مؤرّخ کا نہیں بلکہ شیعہ مذہب کی معتبر کتب ناسخ التواریخ (ج ۶/ص ۱۶۸۔۱۶۹) ، مصنفہ لسان الملک میرزا محمد تقی سپہر (متوفّی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اور جلاءُ العیُون مؤلفہ مُلا محمد باقر مجلسی اصفہانی (متوفّی ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء) میں مرقوم ہے کہ امام عالی مقام کے پاس شیعہ مومنین کے بارہ ہزار خطوط پہنچے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ جلد از جلد کوفہ تشریف لے آئیں ۔ مسندِ خلافت آپ کے لئے خالی ہے ۔ شیعہ مومنین کے اموال اور اُن کی گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں ۔ سب کے سب آپ کے منتظر اور مشتاقِ دید ہیں ۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے ۔ آپ کی مدد کے لئے یہاں لشکر مہیّا و حاضر ہے ۔ نعمان بن بشیر ، حاکمِ کوفہ دارُالامارت میں بیٹھا ہے ۔ ہم اُس کے ساتھ جمعہ و عیدین کی نمازیں پڑھنے نہیں جاتے ۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم اُس کو کوفہ سے نکال دیں گے ۔

مندرجہ بالا سطور میں اگرچہ ان خطُوط کا خلاصہ مذکور ہو چکا ، لیکن ان کی اہمیّت کے پیشِ نظر ہم "جلاءُ العیُون" کی طبع جدید سے دو خطُوط کو من وعن نقل کر رہے ہیں ۔ (ناسخ التواریخ میں بھی یہی مضمون موجود ہے ۔)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

این نامہ ایست بسوی حسین بن علیؑ از جانب سلیمان بن صرد خزاعی و

---

۱۔ حوادث کربلاء پر ایک طائرانہ نظر سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اہل شام یزید کے خلاف تھے اور امام حسینؓ کو برحق مانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل شام نے حسین کے خلاف نبرد آزما ہونے سے احتراز کیا۔ (شاہ شہیداں : ص ۱۰۲)

مصر کے فاضل محقق محمد رضا اپنی تصنیف "الحسنؓ والحسینؓ" میں رقمطراز ہیں کہ امام حسینؓ کے مخالف لشکر کے تمام مقتولین کوفی تھے۔ ان میں کوئی شامی (یا حجازی) نہیں تھا۔ (الحسنؓ والحسینؓ : ص ۲۲۸)

مسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سایر شیعیان او از مؤمنان و مسلمانان اہل کوفہ

سلام خدا بر تو باد و حمد میکنیم خدارا بر نعمت ہای کاملہ او برما و شکر میکنیم اورا برآنکہ ہلاک کرد دشمن جبار معاند تراکہ بے رضای امت برایشان والی شد و بجور و قہر برآنہا حاکم گردید و اموال ایشانرا بناحق تصرف نمود و نیکان را بقتل رسانید و بدانرا بنیکان مسلط گردانید و اموال خدارا برمالداران و جباران قسمت نمود پس خدا اورا لعنت کند چنانچہ قوم ثمود را لعنت کرد بدانکہ ماذر این وقت امام و پیشوائی نداریم بسوی ما توجہ نما و بشہرما قدم رنجہ فرما کہ ماہمگی مطیع توئیم شاید حق تعالیٰ حق را ببرکت تو برما ظاہر گرداند و نعمان بن بشیر حاکم کوفہ در قصر الامارۃ نشستہ است در نہایت مذلت و بجمعہ او حاضر نمی شویم و در عیدبا او بیرون نمیرویم چون خبر برسد کہ شمامتوجہ این صوب شدہ اید اورا از کوفہ بیرون میکنیم تا باہل شام ملحق گردد ۔ والسلام"۔ ۱

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

این عریضہ ایست بخدمت حسین بن علی

از شیعیان وفدویان و مخلصان آنحضرت

اما بعد ۔ بزودی خود را بدوستان و ہوا خواہان خود برسان کہ ہمہ مردم این ولایت منتظر قدوم مسرت لزوم تو اند و بسوی غیر تو رغبت نمی نمایند البتہ بتعجیل تمام خود را باین مشتاقان ہست ہام برسان ۔ والسلام"۔۲

اب بارِ ثبوت اہلِ تشیع پر ہے کہ امام عالی مقام کے خلاف غدرو نفاق کا اظہار کس نے کیا ۔ کیا وہ سب اہلِ تشیع نہیں تھے ؟ جنہوں نے آپ کو مدینہ منورہ سے کوفہ آنے کی دعوت دی اور پھر آپ کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا۔ ہم یہاں پر یزید ، ابن زیاد ، ابن سعد اور شمرلعین جیسے پلید انسانوں کی فہرستِ جُرم میں کسی قسم کی رعایت کرنا نہیں چاہتے ۔ بیگانوں سے شکوہ جوانمردی کے خلاف ہے ۔ البتہ جب اپنے ہی دُشمنوں کے آلۂ کار بن جائیں تو مصیبت کی زِہرہ گُدازیاں بڑھ جاتی ہیں ۔ بقول شاعر ؎

---

۱۔۔۔ جلاء العیون، مطبوعہ انتشارات علمیہ اسلامیہ، مطبوعہ جنب نوروز خان، ایران، ص۳۵۶

۲۔۔۔ ایضاً، ص۳۵۷

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

جب حضرت امام حُسینؓ کی خدمت میں پے در پے اہلِ کُوفہ کے ہزارہا خطُوط پہنچنے شروع ہوئے تو آپ نے اہل الرّائے اصحاب سے مشورہ کے بعد ہانی بن ہانی سُبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ اہلِ کُوفہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا :

"اما بعد ۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے ۔ مَیں نے سمجھا ہے ۔ مَیں تمہاری طرف اپنے بھائی ، اپنے چچا کے بیٹے اور اہلِ بیت میں اپنے معتمد ساتھی مُسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں ۔ مَیں نے اس کو حُکم دیا ہے کہ وہ مجھے تمہارے حالات اور تمہارے تمام امور سے خط لکھ کر مطلع کرے ۔ کیونکہ مجھے لکھا گیا ہے کہ تم میں سے ایک بڑا گروہ اور تمام عقلمند اس رائے پر متفق ہیں جس کا میری طرف تمہارے بھیجے ہوئے خطُوط میں ذکر کیا گیا ہے ۔ مَیں جلد ہی تمہارے پاس آرہا ہوں ۔ مَیں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کتابُ اللہ کے عامل ، انصاف پر قائم رہنے والے اور دینِ حق پھیلانے والے کے سوا کسی کو حکومت کرنے کا حق نہیں ۔ والسّلام"۔ ۱

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مقامِ صفاح پر پہنچے تو یہاں پر مشہور محبِّ اہلِ بیت شاعر فرزدق ملا ، آپ نے اُس سے عراق کے حالات دریافت کئے ۔ اُس نے جواب دیا :

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں ۔ لیکن تلواریں بنُو اُمیّہ کے ساتھ ہیں ۔ قضاء الٰہی آسمان سے اترتی ہے ، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔۲

مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر امام حُسینؓ کو محمد بن اشعث کی تحریر اور مُسلم بن عقیلؓ کے قتل کی خبر ملی ۔ اس خط میں آپ کو کوفہ آنے سے منع کیا گیا۔ یہ موقعہ ایسا تھا کہ آپ سفر منقطع کر کے واپس آجاتے لیکن ایسا نہ ہُوا ۔ آپ آگے بڑھے چلے گئے ۔ ایک تو آپ امام مُسلم کا قصاص لینا چاہتے تھے ۔ دُوسرے اہلِ کوفہ کو دوبارہ دعوتِ حق دے کر ظلم و جبر کے خلاف جنگ آزما ہونے کی دعوت دینا چاہتے تھے ۔ انہیں یقین کامل تھا کہ اہلِ کوفہ کو نہ صرف

---

۱۔ الحسنؓ والحسینؓ : ص ۱۴۶ ، تاریخ الامت ( جلد سوم ) : ص ۴۴

۲۔ الحسینؓ : ص ۹۰ ، آئینہ قیامت : ص ۱۹ ، الحسنؓ والحسینؓ : ص ۱۵۸

اپنے موقف سے ہمنوا بنا لیں گے ۔ بلکہ امام مسلم کے مظلومانہ قتل کے قصاص کے لئے بھی تیار کر لیں گے ۔ اس لئے سفر جاری رکھا ۔ تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حُر بن یزید تمیمی یربوعی نے جبل ذی حشم کے مقام پر حضرت امام کو روکا تو آپ نے اُس کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے بعد حمد و ثنا فرمایا :

"اے لوگو! مَیں تمہارے پاس ازخود نہیں آیا بلکہ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے اور تم نے اپنے قاصدوں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ، شاید اللہ آپ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت اور حق پر مجتمع کر دے ۔ اب مَیں آ گیا ہوں ۔ اگر تم عہدومیثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو مَیں تمہارے شہر چلوں ، لیکن اگر تم لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو مَیں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں گا"۔[۱]

اس کے بعد حُر بن یزید تمیمی اور امام حُسینؓ کے درمیان کئی بار اُن کے مقصدِ آمد پر گفتگو ہوئی ۔ نمازیں بھی امام عالی مقام کے ساتھ پڑھتے رہے ۔ نماز کے بعد آپ نے حُر کے لشکر کو خطاب بھی فرمایا اور خطوط اور قاصدوں کی آمدورفت کا تذکرہ کیا ۔ حُر نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ "ہم نے یہ خط آپ کو نہیں لکھے ، ہم آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور آپ کو عبیدُاللہ بن زیاد کے پاس کوفہ لے جائیں گے"۔

المختصر حُر نے آپ کو ایک طرف نکل جانے کا رستہ بھی دیا ، مگر وہ ساتھ ساتھ رہا ۔ ایسا مرحلہ بھی آیا کہ جب آپ حُر کے لشکر سے لڑ بھڑ کر راستہ نکال سکتے تھے مگر آپ نے اس راہ کو اختیار نہ کیا ۔ کیونکہ آپ صرف خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت یعنی نظامِ مصطفٰے کا مفصّل نقشہ پیش کرنا چاہتے تھے اور سامعین کو دلائل و براہین سے قائل کرنا چاہتے تھے ۔ اس لئے مخالفین سے جنگ نہ کی ، اس وقت تک آپ کا پُختہ خیال تھا کہ یہ لوگ حق و صداقت کی آواز کو قبول کر لیں گے ۔ مگر ایسا نہ ہُوا حتّٰی کہ عمرو بن سعد اپنا لشکر لے کر مقابلے میں آگیا ۔ اُس سے بھی امرِ معلومہ کی بابت تبادلۂ خیالات ہُوا ، وہ امام عالی مقام کی تین شرطوں یعنی :

(۱) جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں ۔

(۲) دُوسرے مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر جہاں ہم چاہیں چلے جائیں۔

(۳) تیسرے یزید کے پاس جا کر خود اُس سے اپنا معاملہ طے کر لیں ۔

---

۱۔ الحسینؓ : ص ۹۹ ، تاریخ الامت (جلد سوم) : ص ۵۱

محمد شفیع اوکاڑوی : شامِ کربلا ، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ، لاہور ۱۹۸۷ء ، اشاعت چہارم ، ص ۹۲

میں سے کسی ایک کو تسلیم کر لے ۔

ابن سعد نے ان شرائط کی معقولیت سے ابن زیاد، گورنرِ کوفہ کو آگاہ کیا ۔ اُس نے ان شرائط کو پسند کیا [۱] مگر شمر لعین کے اغوائے شیطانی سے اُس کی نیت بدل گئی اور نوبت براہِ راست تصادم تک پہنچ گئی ۔

یہاں پر بھی معترضین کہہ سکتے ہیں کہ ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہو کہ امام عالی مقام اپنے نانا جان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق باطل کے مقابلے میں پوری قوت کے ساتھ صف آرا ہو کر جہاد کرنا چاہتے تھے ۔ پھر یکایک مذکورہ بالا سہ گانہ شرائط پر کیوں آ گئے ۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ امام عالی مقام اوّل سے لے کر آخر تک داعی الی الحق تھے، امن و سلامتی کے پیغام بر تھے اور تمام مسائل کو پُر امن ماحول میں طے کرنا چاہتے تھے ۔ واپس جانے کی شرط اس لئے پیش کی کہ جن لوگوں نے بلایا تھا، وہی میدانِ جنگ میں صف آرا ہیں، اُنہیں کسی امام کی ضرورت نہیں ہے ۔ انہوں نے اُس ظالم شخص کی بیعت کر لی ہے جو محرماتِ الٰہی کو حلال کرتا ہے، اللہ کے عہد کو توڑتا ہے، سُنّتِ رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اور اللہ کے بندوں پر ظُلم و زیادتی سے حکومت کر رہا ہے ۔ اُس نے فتنہ و فساد پھیلا دیا ہے، حدودِ الٰہی کو معطّل کر دیا ہے اور بیتُ المال کو اپنے اور اپنے دوستوں کی ذاتی جائداد بنا لیا ہے ۔ اس لئے ایسے لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کو ساتھ لے کر دُشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے ۔ لہٰذا امن و سلامتی کے ماحول میں پوری تیاری کے لئے وقفہ حاصل کرنا چاہئے اور مدینتہ الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم میں واپس جا کر اپنے اعوان و انصار، احباب و رفقاء، اعزا و اقارب اور اکابرِ ملّت کے مشورہ سے ایک جامع منصوبہ بندی کے ذریعے نظامِ مصطفٰے کے نفاذ کے لئے پروگرام مرتّب کیا جائے ۔ اس شرط کے نامنظور ہونے پر دُوسری شرط یہ پیش کی کہ مجھے اسلامی سرحد پر جانے دو تاکہ وہاں جہاد فی سبیل اللہ کے مواقع حاصل کر سکوں اور رِضائے الٰہی و رِضائے رسولؐ کے لئے ساز گار ماحول تلاش کر لوں ۔ یہ پہلو بھی ارشادِ نبوّت کی تعمیل کا موقع فراہم کرتا ہے ۔ اب سب سے بڑا اعتراض یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں پیش کی کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ مَیں اُس سے اپنا معاملہ طے کر سکوں، بلکہ یہاں پر بھی دعوت الی الحق عام کرنے کے لئے اور خاص طور پر حاکمِ وقت کو اپنے منشور کا قائل کر سکوں اور پھر ایک ذہنی و فکری انقلاب کی راہ ہموار کر کے ایک ظالمانہ نظام کو عادلانہ شکل دے دوں ۔

---

۱۔۔۔۔ آئینہ قیامت، ص ۲۶

ہم سمجھتے ہیں کہ امام عالی مقام کا یزیدیوں کے سامنے یہ شرائط پیش کرنا قوم کو خانہ جنگی ، قتل و غارت اور کُشت و خُون سے بچانا مقصود تھا اور ایک پُرامن ماحول میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے لئے سربراہِ مملکت کو ہمنوا بنانے کے بعد سارے ملک میں اس انقلاب کو عام کرنا چاہتے تھے ۔

افسوس ہے کہ امن و سلامتی کے دُشمنوں اور ایمان و عرفان کے بدخواہوں نے ایسا نہ ہونے دیا ۔ بلکہ شمر مردود نے ابن زیاد کو صُلح اور سلامتی کے راستے سے ہٹا کر تباہی بربادی ، برادر کُشی اور ہلاکت انگیزی کی راہ پر ڈال دیا ۔ ابن زیاد نے عَمرو بن سعد کو ایک انسانیت سوز ، ذلّت آمیز اور سنگدلانہ شقاوت اور بربریّت کا حامل مندرجہ ذیل خط ارسال کیا :

"میں نے تمہیں اس لئے نہ بھیجا تھاکہ تم حُسین کو ڈھیل دیتے جاؤ اور اُن کے متعلق سفارشیں بھیجتے چلے جاؤ ۔ تم حُسین اور ان کے ساتھیوں سے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے لئے کہو ، اگر وہ مان جائیں تو ان سب کو میرے پاس حفاظت اور سلامتی سے بھیج دو ۔ اور اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کر دو اور انہیں قتل کر کے ان کا مثلہ کر دو ۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں ۔ حُسین کے قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں ۔ جماعت میں تفرقہ ڈالنے والے ہیں ، ظالم ہیں ۔ اگر تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کی تو ہم تمہیں بیش قرار انعامات سے نوازیں گے اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کر کے تم الگ ہو جاؤ ، والسّلام"۔۱

جب شمر نے ابن زیاد کا خط لا کر دیا تو ابن سعد نے اُسے پڑھ کر کہا :۔

"تمہارا بُرا ہو اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو اُس کا بھی بُرا ہو ! واللہ ! معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ مَیں نے ابن زیاد کو لکھا تھا تمہیں نے اُسے اِس کے قبول کرنے سے روکا ہے ۔ ہمیں صُلح کی اُمید تھی لیکن تم نے ہمارا کام بگاڑ دیا ۔ واللہ ! حُسینؓ کبھی ہماری اطاعت اور فرماں برداری قبول نہ کریں گے کیونکہ اُن کے پہلو میں ایک خوددار دِل ہے"۔۲

ہم نے ابن سعد کا یہ قول اس لئے درج کیا ہے کہ امام عالی مقام کے بدترین دُشمن

---

۱۔ الحسینؓ : ص ۱۱۳ ، آئینہ قیامت : ص ۲۶ ، شام کربلاء : ص ۱۱۲۔ ۱۱۳ ۔
عباس محمود العقاد : ابوالشہداء الحسین بن علی ، اردو ترجمہ : عطا حسین : شاہ شہیداں ، مطبوعہ نفیس اکیڈیمی ، کراچی ۱۹۸۲ء ، ص ۹۵
۲۔ الحسینؓ : ص ۱۱۳ ، آئینہ قیامت : ص ۲۷

بھی اُن کی جرأت ، مردانگی ، عزیمت ، استقامت اور غیرتِ مومنانہ کے قائل تھے ، وہ بھی جانتے تھے کہ امام حُسین رضی اللہ عنہ غیر مشروط بیعت نہیں کریں گے ۔

یہ چیز بھی پیشِ نظر رہے کہ جب موت سامنے نظر آ رہی تھی اور دُشمن شرافت ، انسانیت کی ہر صفت سے عاری ، بے حیائی اور بے حمیتی پر تُل گیا تھا تو ایسے عالم میں تصادم اور قتال سے بچنے کا راستہ کیوں نہ سوچا گیا اور کیوں اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا ۔ اس کا جواب کوئی عام آدمی نہیں دے سکتا ۔ صرف وہی شخص موت کے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے جسے حق و صداقت کی خاطر قتل ہو جانا حیاتِ جاوداں نظر آتا ہو ۔ دُوسرے وہ اپنی شخصیت ، روایات اور تاریخی جدّوجُہد کے تعلق میں مستقبل کی تاریکیوں میں کوہ شگاف عزم اور آفاق گیر ایمان اور عرفان کے نُور سے اپنے قلب کو منوّر کر چکا ہو ۔ تیسرے اسے اس امر کا یقین کامل ہو کہ موت حق ہے ، اس کا وقت معیّن ہے اور یہ ایک پُل[۱] ہے جسے عبور کر کے مردِ مومن معشوقِ حقیقی کی گلی میں داخل ہو جاتا ہے ؎

مرگِ مومن چیست ؟ ہجرت سوئے دوست !<br>
ترکِ عالم ، اختیارِ کوئے دوست[۲] !

امام عالی مقام ، آپ کے جگر گوشوں ، بھتیجوں ، بھانجوں ، افرادِ اہلِ بیت اور دوسرے محبانِ اہلِ بیت کے قافلے نے ہزارہا دُشمنوں کے سامنے جس بے مثال اور لازوال ایثار و قربانی اور استقامت و عزیمت کا مظاہرہ کیا ہے ، تاریخ اُس کی مثال پیش نہیں کر سکتی ۔

نویں محرم کو جب آپ نے اپنے رفقاء کو فرمایا کہ "دُشمن صرف میرے درپئے آزار ہے ، مَیں چراغ بُجھا دیتا ہوں ۔ رات کی تاریکی میں تم یہاں سے نکل جاؤ"۔ سب نے جواب دیا کہ "ہم آپ پر قربان ہو جائیں گے ۔ آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے ۔ خدا کی قسم ! ہم آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے"۔ محبّت میں فنا ہونے اور محبّ کی حیثیت سے قربانی دینے سے بڑھ کر اخلاص کا کوئی درجہ نہیں ۔ اخلاص کی انتہا تو اپنے آپ کو اعلیٰ مقصد کے لئے فنا کر دینا ہے ، جس کا اجر ہمیشہ باقی رہتا ہے اور اِس سے بقائے دوام کی سند ملتی ہے ۔ الغرض رفقائے حُسینؓ کے جان نثارانہ کلمات ایسے ہیں جن پر بے اختیار یہ شعر

---

۱ــــ اشارہ بحدیث اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ ــــ موت جسر موصل آمد سوی یار

۲ــــ جاوید نامہ : ص ۲۱۸

بھی اُن کی جرأت ، مردانگی ، عزیمت ، استقامت اور غیرتِ مومنانہ کے قائل تھے ، وہ بھی جانتے تھے کہ امام حُسین رضی اللہ عنہ غیر مشروط بیعت نہیں کریں گے ۔

یہ چیز بھی پیشِ نظر رہے کہ جب موت سامنے نظر آ رہی تھی اور دُشمن شرافت ، انسانیت کی ہر صفت سے عاری ، بے حیائی اور بے حمیتی پر تُل گیا تھا تو ایسے عالم میں تصادم اور قتال سے بچنے کا راستہ کیوں نہ سوچا گیا اور کیوں اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا ۔ اس کا جواب کوئی عام آدمی نہیں دے سکتا ۔ صرف وہی شخص موت کے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے جسے حق و صداقت کی خاطر قتل ہو جانا حیاتِ جاوداں نظر آتا ہو ۔ دُوسرے وہ اپنی شخصیت ، روایات اور تاریخی جدّوجُہد کے تعلق میں مستقبل کی تاریکیوں میں کوہ شگاف عزم اور آفاق گیر ایمان اور عرفان کے نُور سے اپنے قلب کو منوّر کر چکا ہو ۔ تیسرے اسے اس امر کا یقین کامل ہو کہ موت حق ہے ، اس کا وقت معیّن ہے اور یہ ایک پُل[۱] ہے جسے عبور کر کے مردِ مومن معشوقِ حقیقی کی گلی میں داخل ہو جاتا ہے ؎

مرگِ مومن چیست ؟ ہجرت سوئے دوست !
ترکِ عالم ، اختیارِ کوئے دوست[۲] !

امام عالی مقام ، آپ کے جگر گوشوں ، بھتیجوں ، بھانجوں ، افرادِ اہلِ بیت اور دوسرے محبانِ اہلِ بیت کے قافلے نے ہزارہا دُشمنوں کے سامنے جس بے مثال اور لازوال ایثار و قربانی اور استقامت و عزیمت کا مظاہرہ کیا ہے ، تاریخ اُس کی مثال پیش نہیں کر سکتی ۔

نویں محرم کو جب آپ نے اپنے رفقاء کو فرمایا کہ "دُشمن صرف میرے درپئے آزار ہے ، مَیں چراغ بُجھا دیتا ہوں ۔ رات کی تاریکی میں تم یہاں سے نکل جاؤ"۔ سب نے جواب دیا کہ "ہم آپ پر قربان ہو جائیں گے ۔ آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے ۔ خدا کی قسم ! ہم آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے"۔ محبّت میں فنا ہونے اور محبّ کی حیثیت سے قربانی دینے سے بڑھ کر اخلاص کا کوئی درجہ نہیں ۔ اخلاص کی انتہا تو اپنے آپ کو اعلیٰ مقصد کے لئے فنا کر دینا ہے ، جس کا اجر ہمیشہ باقی رہتا ہے اور اِس سے بقائے دوام کی سند ملتی ہے ۔ الغرض رفقائے حُسینؓ کے جان نثارانہ کلمات ایسے ہیں جن پر بے اختیار یہ شعر

---

۱ ـــ اشارہ بحدیث اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

۲ ـــ موت جسر موصل آمد سوی یار

۳ ـــ جاوید نامہ : ص ۲۱۸

زبان پر آ جاتا ہے ؎

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شُہدائے کربلا کا تذکرہ تا قیامِ قیامت عزم و استقامت کے ساتھ ساتھ ایمان اور عرفان کی وجد آفریں کیفیات ہر سُننے والے اور ہر پڑھنے والے کے قلب میں پیدا کرتا رہے گا۔ حکیمُ الُامّت کا یہ ارشاد :؎

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر ! مرگِ پُورِ مرتضےٰؓ چیزے دگر![1]

اور

بہرِ حق درخاک و خوں غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است[2]

اس بے مثل و بے مثال جذبۂ سرفروشی پر دال ہے۔

اس باب میں ہم حضرت مُسلم بن عقیلؓ کی شہادت کے تذکرے میں یہ پہلو خاص طور پر واضح کریں گے کہ جب موت سامنے نظر آ رہی ہو، دُشمن ہر لحظہ شہ رگِ حیات قطع کرنے پر تُلا بیٹھا ہو، جلّاد شمشیر بُرّاں لے کر سر پر کھڑا ہو۔ اِس ماحول میں خونخوار، بداطوار، ناہنجار اور بدسرشت دُشمن سے گفتگو کرتے وقت ہوش و حواس کو برقرار رکھنا، دُشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کرنا اور موت سے ہم آغوش ہونے کے لئے تکبیر، استغفار اور درود شریف سے رطب اللّسان رہنا صرف خاصانِ خدا، مردانِ وغا اور دُودمانِ اہلِ بیت کا ہی شیوہ ہو سکتا ہے۔ ابنِ زیاد نے کہا :۔

"اے ابنِ عقیل! لوگ آپس میں متحد و متفق تھے۔ تم نے آکر لوگوں میں تفرقہ ڈالا اور بھائیوں کو بھائیوں سے لڑا دیا۔ آخر تم نے یہ کام کِس مقصد سے کیا"؟

مُسلم نے جواب دیا :

"جو کچھ تم کہتے ہو، غلط کہتے ہو۔ مَیں ہرگز اس مقصد سے نہیں آیا۔ کوفہ والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ (زیاد بن سمیّہ) نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا، ان کا خُون بہایا اور اپنے عہد میں قیصر و کسریٰ کی روایات تازہ کر دیں۔ ہم یہاں آئے تاکہ عدل و انصاف قائم کریں اور لوگوں کو کتاب و سُنّت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیں"۔

---

۱۔ جاوید نامہ: ص ۲۱۸ ۲۔ اسرار و رموز: ص ۱۲۷

ابن زیاد نے کہا ۔ "کہاں تم اور کہاں کتاب و سُنّت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت ! اللہ مجھے تباہ کرے اگر مَیں تمہیں اس طرح قتل نہ کروں کہ زمانۂ اسلام میں آج تک اور کسی کو اس طرح قتل نہ کیا گیا ہو"۔

مُسلم نے جواب دیا : واقعی اسلام میں بدعتیں پیدا کرنے کے تم سب سے زیادہ حقدار ہو ۔ خیانت اور کمینگی میں تمہارا کوئی ثانی نہیں"۔۱

اِس پر ابن زیاد اور مُسلم میں تلخ کلامی شروع ہو گئی ۔ آخر میں ابن زیاد نے بکیر بن حمران الاحمری کو حکم دیا کہ مُسلم کو محل کی چھت پر لے جائے اور وہاں اُن کی گردن اڑا دے ۔ چنانچہ بکیر انہیں اپنے ساتھ لے گیا ۔ مُسلم برابر تکبیر ، استغفار اور درود شریف پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے :

"اے اللہ ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان تُو خود ہی فیصلہ فرما جس نے ہمیں دھوکہ دیا اور جس نے ہمیں جھٹلایا"۔۲

دُوسرا واقعہ حضرت امام عالی مقام کے قاصد قیس بن مُسہّر الصیداوی کے شوقِ شہادت سے پیدا ہونے والی جرأت ، بیباکی ، مردانگی اور بے مثال غیرتِ ایمانی کا ہے ۔ یہ حضرت امام حُسینؓ کا خط لے کر کوفہ روانہ ہوئے ، جب وہ قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے اُنہیں پکڑ کر عُبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا ۔ ابن زیاد نے خط پڑھا اور انہیں حکم دیا :

"محل کی چھت پر چڑھ جاؤ اور کذّاب بن کذّاب حُسین کو گالیاں دو"۔

قیس چھت پر چڑھ گئے اور کہا :

"اے لوگو ! یہ حُسین بن علیؑ کا خط ہے جو رسولؐ اللہ کی بیٹی فاطمہؓ کے فرزند اور مخلوق میں بہترین آدمی ہیں ۔ مَیں ان کا قاصد ہوں جو تمہارے پاس آیا ہوں ۔ وہ حاجر تک پہنچ چکے ہیں ، تم ان کی دعوت قبول کرو"۔۳

یہ کہہ کر انہوں نے ابن زیاد اور اُس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علیؑ کے لئے استغفار کی ۔

ابنِ زیاد یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ قیس کو چھت پر سے نیچے

---

۱۔ الحسینؓ : ص ۸۲ ، شام کربلاء : ص ۶۷ ، الحسنؓ والحسین : ص ۱۷۶ ـ ۱۷۸ .
جلال الدین ، احمد امجدی : خطبات محرم ، مطبوعہ کتب خانہ امجدیہ ، براؤں شریف ـ انڈیا ۱۹۸۸ء ، ص ۳۶۷
۲۔ الحسینؓ : ص ۸۳ ، شہید کربلاء : ص ۲۴ ، شام کربلاء ص ۶۸
۳۔ الحسین : ص ۹۲ ، شاہ شہیداں : ص ۸۵ ـ ۸۶

پھینک دیا جائے ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور مُسلم کے بعد اسی محل میں قیس کو بھی جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔[۱]

---

موت جب سامنے منڈلا رہی ہو اور کوئی راستہ چھٹکارے کا نظر نہ آتا ہو اُس وقت مردانہ وار موت کا مقابلہ کرنا ، یہ سبق اگر سیکھنا ہے ، امام عالی مقام سے سیکھو ۔ اُنہی کی پاکیزہ شہادت ہر مبلّغِ اسلام ، داعی الی الحق اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ اطمینانِ قلب اور میدانِ جہاد میں قوّتِ محرکہ ثابت ہو گی ۔ راقم الحروف امام عالی مقام کے غلاموں کا ادنیٰ غلام ہونے پر فخر کرتا ہے ۔ آپ کی شہادت نے ہمیشہ ہر مصیبت کے اندر میرے لئے زبردست اطمینان و سکون کا سامان فراہم کیا ہے ۔ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں الیکٹورل کالج (Electoral College) یعنی رائے دہندگان ممبرانِ یونین کاؤنسل تھے۔ سارے ضِلع میانوالی کو نیشنل اسمبلی کے لئے ایک حلقہ مقرر کیا گیا تھا ۔ ممبرانِ یونین کاؤنسل کو خطاب کرنے کے لئے ضِلع بھر میں دو اجتماعات بمقام داؤد خیل اور بھکر منعقد ہوئے تھے ۔ بھکر میں ممبرانِ یونین کاؤنسل کے خطاب کے بعد داؤد خیل میں عیسیٰ خیل اور میانوالی دونوں تحصیلوں گے ممبرانِ یونین کاؤنسل کو یکجا خطاب کرنا تھا ۔ میرے مقابلے میں گورنر ملک امیر محمد خان (م ۔ ۱۹۶۷ء) کا لڑکا ملک مظفر الیکشن لڑ رہا تھا ۔ اُس موقعہ پر گورنر صاحب کالاباغ میں مقیم تھے ۔ داؤد خیل میں میرے خطاب کے مقررہ وقت پر یہ سازش تیار کی گئی تھی کہ جُونہی مَیں اجتماع کو خطاب کرنے کے لئے اٹھوں گا ، مجھے ایک اجرتی قاتل مسمّیٰ جبیبہ ، سکنہ لکی مروت کے ذریعے قتل کرا دیا جائے گا۔ اُس قتل کے عوض اس کے بیٹے کی سزائے موت منسوخ کر دی جائے گی ۔ اُسے پچیس ہزار نقد کے علاوہ ایک نہری مربع انعام میں دیا جائے گا ۔ تاریخ اجتماع سے ایک روز قبل جلسہ گاہ کے متصل مکان میں جب جبیبہ چولہے کی چہار دیواری گے ساتھ بیٹھ کر نشانہ معیّن کررہا تھاتو گھر کی عورتوں کو اُس کا یہ سارا کردار مشکوک نظر آیا اور انہیں کے ذریعے خفیہ طور پر یہ بات ہم تک پہنچی کہ آج مولانا نیازی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جُونہی برادرنِ ملّت کہے گا اُسے گولی کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا جائے گا اور یُوں کالا باغ کے بیٹے کے لئے بلا مقابلہ کامیابی کا راستہ ہموار کر دیا جائے گا ۔

---

[۱] آئینہ قیامت ، ص ۲۰ ، شامِ کربلا ، ص ۸۷

صبح سویرے جب مَیں اپنے مکان سے جلسہ گاہ واقع داؤد خیل (جو میانوالی سے پچیس میل دور تھی) کے لئے روانہ ہونے لگا تو مجھے اس سازش کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا ۔ احباب و اعزا کا مشورہ تھا کہ مَیں دانستہ موت کے منہ میں نہ جاؤں ۔ لیکن اُس وقت میرے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد آگیا کہ "موت تیری محافظ ہے ، جب اُس نے آنا ہے آ کر رہے گی اور جب نہیں آنا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مُسلط نہیں کر سکتی"۔ اس کے ساتھ ہی امام مُسلمؓ کی شہادت اور امام حُسینؓ کے قاصد کی دردناک ، زہرہ گداز اور جگر پاش موت کی اطلاع کے باوجود حضرت امام عالی مقام کا ارادۂ سفر کو ملتوی نہ کرنا میرے لئے ایک زبردست مشعلِ راہ ثابت ہُوا اور مَیں اسی وقت داؤد خیل روانہ ہوگیا ۔ یہ عجیب اتفاق ہُوا کہ جب مَیں شہر میں داخل ہُوا تو تقریباً دو ہزار مسلمانوں نے میرا استقبال کیا اور میرے ساتھ ایک جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ کی طرف چل پڑے ۔ مخالفین کی سازش کو اس جلوس نے بے اثر بنا دیا ۔ اب انہوں نے کوشش کی کہ مجھے راستے میں قتل کر دیں ۔ چنانچہ نواب کالاباغ کا ملازم خاص مسمّیٰ نُورا ، جبیبہ مذکور کو لے کر جلوس کی طرف بڑھا ۔ چونکہ مَیں جلوس کے وسط میں آ رہا تھا، اِس لئے وہ نشانہ نہ بنا سکے ۔ جلسہ درہم برہم ہوگیا ۔ ہم نے ایک طرف اپنے احباب کو جمع کر کے اپنا منشور ایک دوسرے علیٰحدہ جلسہ میں پیش کیا ۔ یُوں اللہ تعالیٰ نے محض میرے عزمِ توکل علی اللہ ، سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ارشاد مقدّس پر یقین کامل اور اُسوۂ شبیری کی راہبری اور راہنُمائی کے مشترکہ تأثر نے دشمنوں کو خائب و خاسر کیا اور مجھے مع اپنے رفقاء عزّت و وقار سے ہمکنار کیا ۔ جب نُورا مع جبیبہ مذکور جلوس کی طرف بڑھ رہا تھا تو اُس وقت میرے رفقاء دائیں بائیں مکانوں کی چھتوں پر مسلّح ہو کر مورچہ بند ہو گئے تھے ۔ اس طرح ایمانی جوش کے ساتھ ساتھ اجتماعی قوت کا بھی مظاہرہ ہُوا ۔[1]

اِس ساری تفصیل سے خودستائی مقصود نہیں ـــــ مَیں سیّدالشُّہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کا ایک ادنیٰ غلام ہونے کو بھی اپنے لئے باعثِ صد عزّت و افتخار سمجھتا ہوں ۔ یہ داستان مَیں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہم شہادتِ امام عالی مقام کے تذکرے کو محض اظہارِ غم تک محدود نہ رکھیں ۔ بلکہ اسے اپنی زندگی کو روحانی عظمتوں سے متّصل کرنے کے لئے ہر قدم مینارِ نُور سمجھیں ۔

مَیں نے جہاں اصحابِ حُسینؓ ، اولادِ حُسینؓ ، امام مُسلمؓ ، قاصدِ امام عالی مقامؓ کا تذکرہ کیا ہے ، ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن زیاد اور یزید کے سامنے سیّدہ طاہرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی بیباکی ، جرأت ، بے خوفی اور فلک شگاف ایمانی قوّت کا بھی تذکرہ کر دوں ۔

---

[1] ہوتا ہے جادہ پیما (قلمی مسودہ) ۔ محمد عبدالستار خان نیازی

صبح سویرے جب مَیں اپنے مکان سے جلسہ گاہ واقع داؤد خیل (جو میانوالی سے پچیس میل دور تھی) کے لئے روانہ ہونے لگا تو مجھے اس سازش کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ احباب و اعزّا کا مشورہ تھا کہ مَیں دانستہ موت کے منہ میں نہ جاؤں۔ لیکن اُس وقت میرے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد آ گیا کہ "موت تیری محافظ ہے، جب اُس نے آنا ہے آ کر رہے گی اور جب نہیں آنا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مُسلّط نہیں کر سکتی"۔ اس کے ساتھ ہی امام مُسلمؓ کی شہادت اور امام حُسینؓ کے قاصد کی دردناک، زہرہ گُداز اور جگر پاش موت کی اطلاع کے باوجود حضرت امام عالی مقام کا ارادۂ سفر کو ملتوی نہ کرنا میرے لئے ایک زبردست مشعلِ راہ ثابت ہُوا اور مَیں اسی وقت داؤد خیل روانہ ہو گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہُوا کہ جب مَیں شہر میں داخل ہُوا تو تقریباً دو ہزار مسلمانوں نے میرا استقبال کیا اور میرے ساتھ ایک جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ کی طرف چل پڑے۔ مخالفین کی سازش کو اس جلوس نے بے اثر بنا دیا۔ اب انہوں نے کوشش کی کہ مجھے راستے میں قتل کر دیں۔ چنانچہ نواب کالاباغ کا ملازم خاص مسمّیٰ نُورا، جبیبہ مذکور کو لے کر جلوس کی طرف بڑھا۔ چونکہ مَیں جلوس کے وسط میں آ رہا تھا، اِس لئے وہ نشانہ نہ بنا سکے۔ جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ ہم نے ایک طرف اپنے احباب کو جمع کر کے اپنا منشور ایک دوسرے علیٰحدہ جلسہ میں پیش کیا۔ یُوں اللہ تعالیٰ نے محض میرے عزم توکّل علی اللہ، سیّدنا علی المرتضیٰؓ کے ارشاد مقدّس پر یقین کامل اور اُسوۂ شبیری کی راہبری اور راہنُمائی کے مشترکہ تأثر نے دشمنوں کو خائب و خاسر کیا اور مجھے مع اپنے رفقاء عزّت و وقار سے ہمکنار کیا۔ جب نُورا مع جبیبہ مذکور جلوس کی طرف بڑھ رہا تھا تو اُس وقت میرے رفقاء دائیں بائیں مکانوں کی چھتوں پر مسلّح ہو کر مورچہ بند ہو گئے تھے۔ اس طرح ایمانی جوش کے ساتھ ساتھ اجتماعی قوّت کا بھی مظاہرہ ہُوا۔ [1]

اِس ساری تفصیل سے خودستائی مقصود نہیں ــــ مَیں سیدالشُّہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کا ایک ادنیٰ غلام ہونے کو بھی اپنے لئے باعثِ صد عزّت و افتخار سمجھتا ہوں۔ یہ داستان مَیں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہم شہادتِ امام عالی مقام کے تذکرے کو محض اظہارِ غم تک محدود نہ رکھیں۔ بلکہ اسے اپنی زندگی کو روحانی عظمتوں سے متّصل کرنے کے لئے ہر قدم مینارِ نُور سمجھیں۔

مَیں نے جہاں اصحابِ حُسینؓ، اولادِ حُسینؓ، امام مُسلمؓ، قاصدِ امام عالی مقامؓ کا تذکرہ کیا ہے، ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن زیاد اور یزید کے سامنے سیّدہ طاہرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی بیباکی، جرأت، بے خوفی اور فلک شگاف ایمانی قوّت کا بھی تذکرہ کر دوں۔

---

[1] سوانحِ حیات (قلمی مسودہ)۔ محمد عبدالستار خان نیازی

# عبیدُاللہ کے سامنے حضرتِ زینبؓ کی جرأتِ ایمانی

حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ان کے بچّے، ان کی بہنیں اور عورتیں جب عبیدُاللہ بن زیاد کے پاس پہنچے تو حضرت حُسینؓ کی بہن حضرت زینب بنتِ فاطمہؓ بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس اور بہت خستہ حال تھیں اور لونڈیوں نے انہیں گھیرا ڈالا ہُوا تھا۔ اسی حالت میں وہ عبیدُ اللہ کے سامنے آکر بیٹھیں تو اس نے کہا۔ "یہ بیٹھنے والی کون ہے"؟ حضرت زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ عبیدُاللہ نے تین دفعہ یہی کہا اور انہوں نے تینوں بار ہی کلام نہ کی تو ان کی کسی لونڈی نے کہا "یہ زینب بنتِ فاطمہؓ ہے"۔ یہ سُن کر عبیدُاللہ نے کہا:

"تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے تمہیں ذلیل کیا اور تمہیں تباہ و ہلاک کیا اور تمہارے دعوئ خلافت کو جھٹلایا"۔

(یہ ابنِ زیاد کی ایسی بد تمیزی، دنائت اور بے حیائی تھی جس کی مثال نہیں مل سکتی)

حضرت زینبؓ نے فرمایا:۔

"تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عزت دی اور پورے طور پر پاک کیا۔ تُونے جو کچھ کہا وہ اس کے سوا نہیں کہ فاسق ذلیل کیا جاتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے"۔

ابن زیاد نے کہا: "تُو نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اللہ کا برتاؤ کیسا دیکھا ہے"؟

انہوں نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے قتل ہونا ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔ وہ اپنے ٹھکانوں کی طرف سفر کر گئے اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اور تجھے اکٹھا کرے گا۔ وہ اس کے پاس یہ جھگڑا لے جائیں گے اور اسی سے اس کا فیصلہ طلب کریں گے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر ظلم کیا اور انہیں قتل کر ڈالا ہے۔ ان کی برابری کی ہے اور یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ پاک لوگوں اور نیکو کاروں پر اس دُنیا میں مظالم کئے جائیں جیساکہ پہلے بھی انبیاء، صالحین اور صدیقین و اولیاء کو قتل کیا جاتا رہا ہے اور عنقریب آخرت میں اللہ تعالیٰ اِن گناہوں کا حساب لے گا جو ان سے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○

عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظُلم کیا کہ کون سی پھرنے کی

جگہ میں پھرتے ہیں اور اگر حساب کا دُوسرا گھر نہ ہوتا، ظلم ہی بزرگی پاتا اور ظالم قوی و کامیاب ہوتے"۔

حضرت زینبؓ کے یہ الفاظ سُن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور زیادتی کرنے چاہی تو عَمرو بن حریث نے اُسے کہا:

"اللہ تعالیٰ امیر کو صلاحیت دے۔ یہ ایک عورت ہے اور کیا تو عورت سے اس کی بات کا بدلہ لینا چاہتا ہے؟ عورت کی بات قابلِ مواخذہ نہیں ہوتی اور نہ اُسے غلطی پر ملامت کی جاتی ہے"۔

پھر ابن زیاد نے حضرت زینبؓ سے کہا:۔

"اللہ تعالیٰ نے تیری سرکشی اور تیرے اہلِ بیت کے جرموں سے میرا دل صاف کر دیا ہے"۔

حضرت زینبؓ رو پڑیں اور فرمایا:۔

"میری عُمر کی قسم! تُو نے میرے بزرگ بھائی کو قتل کیا اور میرے اہل پر غلبہ پایا۔ میری شاخیں کاٹ دیں اور میری اصل کو جڑوں سے اُکھاڑ دیا۔ اب اگر تُو ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تُو نے اپنے غصہ کو پی لیا"۔

عبیدُاللہ بن زیاد نے کہا: "یہ شجاعت ہے۔ مجھے میری عُمر کی قسم! تیرا باپ شاعر اور شجاع تھا"۔

آپ نے فرمایا: "عورت کے لئے شجاعت کہاں؟ مَیں شجاعت سے محروم ہوں۔ جو کچھ مَیں نے کہا وہ میرے دل میں آیا ہے"۔ ۱

---

۱۔ الحسن والحسینؓ: ص ۲۳۰۔ ۲۳۳، شامِ کربلا: ص ۲۱۳۔ ۲۱۴، الحسینؓ: ص ۱۳۳۔ ۱۳۴

# کوفیوں کی غدّاری

کوفیوں کی بے وفائی اور غدّاری زبان زدِ خاص و عام ہے۔ اُن کی بابت یہ مقولہ کہ "اَلْکُوْفِیْ لَا یُوْفِیْ" بار بار کے تجربے کے بعد حقیقتِ ثابتہ بن چکا ہے۔ ان لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی المرتضٰی سے غدّاری کی، حضرت امام حسنؓ کے ساتھ منافقت برتی۔ جب دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اُن کی منافقت، غدّاری اور خباثت سے آگاہ ہو کر پُر امن راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں نے امام حسنؓ پر حملہ کر دیا، اُن کا خیمہ لوٹ لیا، انہیں زخمی کر دیا[1] اُن کی بابت امام الحسن المجتبیٰؓ کے یہی تلخ تجربات تھے کہ انہوں نے وفات سے قبل حضرت امام حُسینؓ کو تاکیدًا وصیّت کی کہ کوفیوں پر اعتبار نہ کرنا۔ مدینہ طیبہ اور مکہ المکرمہ میں بھی اکابرِ اُمّت اور اپنے اعزّا و اقرباء نے کوفیوں کے غدر و نفاق کا برملا تذکرہ کیا۔ باوجود ان تمام پند و نصائح اور مشوروں اور پیش گوئیوں کے وہ اس لئے چلے آئے کہ وہ ظالمانہ، جابرانہ اور مستبدانہ نظامِ حکومت کو بموجبِ ارشادِ نبوّت (خواب میں صریح حکم حاصل کرنے کے) بدلنا چاہتے تھے اور اُس کے لئے جہاں سے حمایت کی آواز بلند ہوتی اُس سے استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ نیز دعوت الی الحق کی قوت کی بنا پر یقینِ کامل رکھتے کہ وہ زورِ خطابت سے اپنا منشور منوا لیں گے۔ پھر یہ بھی جانتے تھے کہ پہلا مرحلہ دعوت و تبلیغ کا ہے۔ جیسے آج کل انتخابی مہم چلاتے وقت رائے دہندگان کو اپنا نقطۂ نگاہ بتا کر ہمنوا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ بھی ایسا کریں گے۔ اور اَلصِّدْقُ اَمَانَۃٌ وَالْکِذْبُ خِیَانَۃٌ[2] وَالصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ جیسی حقیقتِ مطلقہ پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے لوگوں کو قائل کرنے کی بدرجۂ اولیٰ صلاحیت رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جب اُنہوں نے جنگ سے پہلے اونٹ پر سوار ہو کر خُطبہ[3] دیا:

---

۱۔ تفصیلات کے لئے ان مآخذ کا مطالعہ کیا جائے۔

(ا) ناسخ التواریخ (جلد ششم، زندگی امام حسن مجتبیٰ): میرزا محمد تقی سپہر، مطبوعہ قم

(ب) جلاء العیون: ملا محمد باقر مجلسی، مطبوعہ ایران

(ج) اتحاد بین المسلمین۔ وقت کی اہم ضرورت (حصہ دوم): محمد عبدالستار خان نیازی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

۲۔ سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کر دیتا ہے۔

۳۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے خطبے نے یزیدیوں کو نہ صرف لاجواب بلکہ انہیں نادم و شرمسار بنا دیا۔ مجرمانہ ضمیر کی وجہ سے دعوت دینے والے کوفیوں نے سر جھکا دیئے اور کئی یزیدی لشکر سے علیحدہ ہو کر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خدا نے حسینؑ کو حسنِ بیان اور دلکش آواز کے ساتھ خطابت میں بھی کمال بخشا تھا۔

"لوگو! میری بات سُنو جلدی نہ کرو، مجھے نصیحت کر لینے دو، اپنا عُذر بیان کرنے دو ۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو ۔ اگر میرا عُذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہو گا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے ۔ لیکن اگر سُننے کے بعد بھی تم میرا عُذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو ۔ تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے ۔ تم اور تمہارے سارے ساتھی اکٹھا کر لو ۔ مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو ۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے"۔ ۱

آپ کی اہلِ بیت نے یہ کلام سُنا تو شدّتِ تاثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی ۔ آپ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند، علی کو بھیجا تاکہ انہیں خاموش کر آئیں ۔

## امامِ عالی مقام کی تلقینِ صبر و استقامت

اسی موقعہ پر امام عالی مقام نے اپنی ہمشیرہ جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور اہلِ بیت کو خصوصی طور پر صبر کی تلقین کی ۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ آگے آنے والی قیامت خیز مصیبت ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گی ۔ اس لئے انہوں نے نہایت ہی واضح ارشادات کے ذریعے صبر و استقامت کی تاکید کی ۔

حادثۂ کربلا میں یزیدیوں کی درندگی، وحشت اور بربریّت نے جو زہرہ گُداز اور جگر پاش اقدامات کئے اور جس طرح انسانی شرافت کی تمام قدروں کو ملیامیٹ کرتے ہوئے شیطنت کا دردناک ماحول پیدا کیا اُس کا تذکرہ ہر انسان کے لئے باعثِ رنج و غم اور سوز و الم ہے ۔ اس کے تصوّر سے ہی چشم ہائے خونتابہ بار سے سیلابِ اشک جاری ہو جاتا ہے، ہر آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے ۔ بالخصوص صنفِ نازک کے دل پر جو گذرتی ہے وہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی ۔ یومِ شہادت کی صُبح بروایت امام زین العابدینؒ جب سید الشہداء اپنے اُونی خیمہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے تھے اور اُن کے قریب اُن کا خادم اُن کی تلوار صاف کر رہا تھا، اُس وقت آپ کی زبان پر دردناک اشعار جاری تھے ؎

---

۱ آزاد، ابو الکلام: شہادت حسین علیہ السلام، مطبوعہ جواد [illegible] ۱۹۷۸ء، ص ۴۰۔
آئینہ قیامت، ص ۳۲، الحسین، ص ۱۲۰، شام کربلا، ص ۱۲۵

يَا دَهْرُ[1] أُفٍّ لَكَ مِنْ خَلِيلِ ۔ كَمْ لَكَ بِالْإِشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ
مَنْ صَاحِبٍ أَوْ طَالِبٍ قَتِيلِ ۔ وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيلِ
وَإِنَّمَا الْأَمْرُ إِلَى الْجَلِيلِ ۔ وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكُ السَّبِيلِ[2]

یہ اشعار سُن کر حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں، رنج و اضطراب میں بے تاب ہو کر ایسے اُٹھیں کہ چادر نیچے گر گئی اور سر ننگا ہو گیا ۔ اسی حالت میں حضرت امام عالی مقام کے پاس گئیں اور کہا :

"وائے مصیبت ! کاش کہ موت آج میری زندگی کا خاتمہ کر چکی ہوتی ۔ میری ماں (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) اور میرا باپ علی رضی اللہ عنہ اور میرا بھائی حسن رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے ۔ اے گذر جانے والوں کے جانشین ! اپنی قوم کے معاملات کی اصلاح کے لئے کھڑے ہونے والے ! اور فریاد رسی کے لئے باقی رہنے والے"!

حضرت امام نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا :۔

"اے بہن ! صبر کر تیرے حوصلہ کو شیطان نہ چھین لے جائے"۔

جب سیدہ کو یقین ہو گیا کہ شہادت کا وقت قریب ہے تو اُنہوں نے کہا :۔

"اے افسوس ! کیا آپ کی جان لے لی جائے گی ؟ یہ بات تو میری ذات کے لئے ناقابلِ برداشت اور میرے دل کو مجروح کرنے والی ہے"۔

پھر انہوں نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ مارے ، اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اور بے ہوش ہو کر گر گئیں ۔ حضرت امام حُسینؓ اُٹھے ۔ اُن کے منہ پر پانی چھڑکا اور اُن کے ہوش میں آنے پر کہا :۔

"اے بہن ! اللہ سے ڈر ، اللہ کی دی ہوئی مصیبت پر صبر کر اور جان لے کہ زمین پر بسنے والے سب مریں گے اور آسمان والے بھی باقی نہ رہیں گے ، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے ۔ لیکن صرف وہ ذات جس نے اپنی قدرت سے زمین کو پیدا کیا ، جو مخلوق کو دُنیا میں بھیجتا ہے ، پھر وہ سب لوٹ جاتے ہیں اور وہ یکہ و تنہا ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا ۔

---

1. اے زمانہ ! تو کیا بے وفا دوست ہے ۔ ہر صبح اور ہر شام ، تیرے ہاتھوں کس قدر ہلاک ہوتے ہیں ، اور یہ زمانہ کسی کے بدل پر قناعت نہیں کرتا ۔ دراصل سارا معاملہ تو خدائے جلیل کے سپرد ہے اور ہر ذی روح موت کی راہ پر گامزن ہے ۔

2. تاریخ الامم والملوک (جلد ششم) ، ص ۵۸ ۔ البدایۃ والنھایۃ (جلد ہشتم) ، ص ۱۷۷

میرا باپ مجھ سے اچھا تھا، میری ماں مجھ سے اچھی تھی اور میرا بھائی مجھ سے اچھا تھا۔ میرے لئے، ان کے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نمونے ہیں"۔ ۱

آپ نے اس قسم کی باتوں سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو صبر دلایا اور فرمایا:۔

"اے بہنؑ! مَیں تجھے قسم دیتا ہوں اور میری اس قسم کو پورا کرنا۔ جب مَیں مر جاؤں تو گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ نہ پیٹنا، نالہ و شیون کی آواز نہ نکالنا، بین نہ کرنا"۔ ۳

پیکرِ صبر و رِضا، مظہرِ جرأت و بسالت اور بحرِ انوارِ معرفت امام اولوالعزم اپنی اور اپنی آل و اولاد کی راہِ حق میں شہادت اور اپنے رفقاء کی جانبازانہ اور سرفروشانہ قربانی کے تمام مناظر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے خاندان کی مستورات اور امام زین العابدینؓ کو تلقینِ صبر فرماتے ہیں اور یُوں شہادتِ عظمیٰ کے پرستاروں کو بالخصوص اور تمام افرادِ اُمتِ محمدیہ کو بالعموم جزع فزع سے منع فرما کر اپنی پوری زندگی کو بطور نمونہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک جابرانہ باطل نظام کے خلاف جنگ آزما ہو کر زندگی کے آخری لمحات تک اعلاء کلمۃ الحق کے لئے ثابت قدم رہنا ہی مومن کا مطمح نظر ہونا چاہیئے، اسی نقطۂ نگاہ کو عارف اقبال یوں ادا کرتے ہیں ؎

تیرو سنان و خنجرو شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست ۴

اب سید الشُّہداء امام عالی مقام کے ہر غلام اور اہلِ بیتِ اطہار کے ہر مُتبع اور پرستار کا فرض ہے کہ وہ اس شہادت کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ پوری ملّت کے لئے غایت الغایات قرار دے اور ہمیشہ باطل قوّتوں کے خلاف جہاد کرتا رہے۔ چند روز رنج و غم اور دردوالم کے جذبات کا مظاہرہ کرنے کے بجائے مستقل طور پر امام حُسین رضی اللہ عنہ کے مقدّس مشن کی تکمیل کے لئے جنگ آزما رہیں، اور اس ساری جِدّوجُہد میں شہادت سے قبل، حضرت امام

---

۱۔ الحسنؓ والحسینؓ: ۱۸۵۔۱۸۶، آئینہ قیامت: ص۳۹، شام کربلاء: ص۱۲۱

۲۔ الحسنؓ والحسینؓ: ص۱۸۶، شام کربلاء: ص۱۲۱، الحسینؓ: ص۱۱۹

۳۔ جلاء العیون (صفحہ ۳۸۷) میں بھی یہی نصیحت آموز ارشادات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"اے خواہر گرامی! ترا سوگند میدہم کہ چون من از تیغ اہل جفا بعالم بقا حلت نمایم گریبان چاک مکن و رو مخراشید و واویلا مگوئید"

۴۔ پیامِ مشرق، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۵۸ء۔ بار نہم۔ ص۱۸۵

عالی مقام کی اس دُعا کو اپنے لئے تسکین و طمانیتِ قلب کا ذریعہ قرار دیں ۔

"اے اللہ ! ہر مصیبت میں تیرا ہی بھروسہ ہے ، ہر سختی میں تُو ہی میری اُمید ہے اور ہر بات میں جو میرے سامنے آئی تُو ہی میرا سہارا ہے ۔ بہت سی مصیبتیں ایسی ہیں جن میں دل کمزور اور حیلہ بے کار ہو جاتا ہے ۔ اس میں دوست پریشان ہوتے ہیں اور اعداء خوش ہوتے ہیں ۔ مجھ پر تیرے ہی لئے مصیبت نازل ہوئی ہے اور اس کا شکوہ بھی تجھ ہی سے کرتا ہوں ۔ میری توجہ صرف تیری طرف ہے ، تیرے ماسوا کی طرف ہرگز نہیں ۔ اِس مصیبت کو مجھ سے ہٹا اور دُور کر دے کہ تو ہی ہر نعمت کا مالک ، ہر نیکی کا مختار اور ہر توجہ کی انتہا ہے"۔ [۱]

اس دلگداز دُعا کے بعد آپ نے اپنا خُطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا :۔

«فَانْسِبُوْنِیْ فَانْظُرُ وْامَنْ اَنَاثُمَّ رَاجِعُوْآ اَنْفُسَکُمْ فَعَاتِبُوْهَا وَانْظُرُوْا هَلْ یَصْلَحُ وَیَحِلُّ لَکُمْ قَتْلِیْ وَانْتِهَاكُ حُرْمَتِیْ ، اَلَسْتُ ابْنِ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ وَابْنِ وَصِیِّهِ وَابْنِ عَمِّهِ وَاَوْلَی الْمُوْمِنِیْنَ بِاللهِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُوْلِهِ ؟ اَوَلَیْسَ حَمْزَةُ سَیِّدُ الشُّهَدَآءِ عَمَّ اَبِیْ ؟ اَوَلَیْسَ جَعْفَرُ الشَّهِیْدُ الطَّیَّارُ فِی الْجَنَّةِ عَمِّیْ ؟ اَوَلَمْ یَبْلُغْکُمْ قَوْلٌ مُّسْتَفِیْضٌ : اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ، صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ لِیْ وَلِاَخِیْ : اَنْتُمَا سَیِّدَ اشَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ....... فَاِنْ صَدَّقْتُمُوْنِیْ بِمَا اَقُوْلُ ، وَهُوَ الْحَقُّ ، وَاللهِ مَاتَعَمَّدْتُ کَذِبًا ...... وَاِنْ کَذَّبْتُمُوْنِیْ فَاِنَّ فِیْکُمْ مَّنْ اِنْ سَاَلْتُمُوْهُ عَنْ ذَالِكَ اَخْبَرَکُمْ ، سَلُوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ اَوْاَبَا سَعِیْدٍ اَوْسَهْلَ بْنَ سَعْدٍ اَوْ زَیْدَ ابْنَ اَرْقَمَ اَوْاَنَسًا یُخْبِرُوْکُمْ اَنَّهُمْ سَمِعُوْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ، صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، اَمَا فِیْ هٰذَا حَاجِزٌ یَحْجُزُکُمْ عَنْ سَفْكِ دَمِیْ ؟ ......... فَوَاللهِ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بِنْتِ نَبِیٍّ غَیْرِیْ مِنْکُمْ وَلَا مِنْ غَیْرِکُمْ . اَخْبِرُوْنِیْ اَتَطْلُبُوْنِیْ بِقَتِیْلٍ مِنْکُمْ قَتَلْتُهُ ، اَوْبِمَالِکُمْ اَسْتَهْلَکْتُهُ ، اَوْبِقِصَاصٍ مِّنْ جِرَاحَةٍ؟» [۲]

"لوگو ! میرا حسب و نسب یاد کرو ، سوچو مَیں کون ہوں ؟ پھر اپنے

---

۱۔ الحسن و الحسین : ص ۱۸۷ ، شامِ کربلاء : ص ۱۲۵ ، شہید کربلا : ص ۳۹

۲۔ ابن اثیر الجزری : الکامل فی التاریخ (جلد چہارم) : ص ۶۱ - ۶۲

ابن کثیر دمشقی : البدایۃ والنہایۃ (جلد ہشتم) : ص ۱۷۹

ابن جریر طبری : تاریخ الامم والملوک (جلد ششم) : ص ۲۴۲ ، ۲۴۳

گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو ۔ خوب غور کرو کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حُرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے ؟ کیا مَیں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا ، ان کے وصی اور عمّ زاد کا جگر گوشہ نہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی آواز پر لبیک کہی اور اس کے رسول پر ایمان لائے ؟ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے ؟ کیا ذوالجناحین جعفرالطیارؓ میرے چچا نہیں ہیں ؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشہور قول نہیں سُنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں "سید اشباب اہل الجنۃ" ؟ (جنّت میں نوعمروں کے سردار) ، اگر میرا یہ بیان سچا ہے ، اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ مَیں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا ، تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہئے ؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو تم میں اس وقت بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو (یا پھر اصحابِ رسول اللہ) جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو ، ابوسعید خدری سے پوچھو ، سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو ، زید بن ارقم سے پوچھو ، انس بن مالک سے پوچھو ، وہ تمہیں بتائیںگے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے یا نہیں ؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خُون بہانے سے نہیں روک سکتی ؟ واللہ ! اس وقت رُوئے زمین پر بجُز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں ۔ مَیں تمہارے نبی کا بلاواسطہ نواسہ ہوں ! کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ مَیں نے کسی کی جان لی ہے ! کسی کا خُون بہایا ہے ، کسی کا مال چھینا ہے ؟ کہو کیا بات ہے ؟ آخر میرا قصور کیا ہے"؟!

---

شہادت حسین علیہ السلام: ص ۴۲ ـ ۴۳. الحسنؓ والحسینؓ: ص ۱۸۷ ـ ۱۸۸. الحسینؓ: ص ۱۲۱.
محمد احمد، سید ابوالحسنات: اوراق غم. مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز. لاہور ۱۹۸۷ء. ص ۳۹۸

# پُرازفصاحت وبلاغت خُطبے کا اثر

حُر نے جب یہ خُطبہ سُنا تو آہستہ آہستہ امام حُسینؓ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ایک شخص نے پُوچھا آج تم کیا کر رہے ہو۔ حُر نے جواب دیا: "بخُدا مَیں جنّت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ مَیں نے جنّت منتخب کر لی اگر چہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"۔

حُر نے اہلِ کوفہ کو ان لفظوں میں خطاب کیا :۔

"اے اہلِ کوفہ! تمہاری ماؤں کو تمہاری موت کا صدمہ پہنچے۔ تم نے حضرت حُسینؓ کو دعوت دی جس کی بنا پر وہ تمہارے پاس آ گئے۔ تم نے یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ تم ان کے دُشمن سے لڑ کر انہیں ہلاک کرو گے لیکن پھر تم انہی کو جن کی حمایت میں دُشمنوں سے لڑنے والے تھے قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ تم نے ان کو روکا، چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور اللہ تعالیٰ کی وسیع دُنیا کے شہروں میں جانے سے روک دیا جہاں وہ خود بھی امن سے رہتے اور اپنے اہلِ بیت کو بھی مامون رکھتے۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں ایک ایسے قیدی کی طرح ہو گئے ہیں جو نہ اپنی جان کو فائدہ دے سکے اور نہ نقصان سے بچ سکے۔ تم نے ان کو، ان کی عورتوں اور بچّوں کو اور ان کے اصحاب کو دریائے فرات کا بہتا ہُوا پانی پینے سے روک دیا۔ جس کو یہودی، مجوسی، نصرانی سب پیتے ہیں۔ اور اس میں سیاہ خنزیر اور کتے چرتے، اُچھلتے کودتے اور اس کا پانی خوب پیتے ہیں۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ انہیں پیاس نے بے حال کر دیا ہے مگر پانی نہیں پی سکتے۔ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں کس قدر پیچھے رہ گئے ہو۔ اگر آج اور اسی وقت تم نے توبہ نہ کی اور اس ارادے سے باز نہ آئے جس پر تُلے ہوئے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں حشر کے دن پانی نہ دے گا"۔[1]

---

ہم نے گذشتہ صفحات میں دشمنوں کی جانب سے خطرناک انجام و عواقب حتّٰی کہ قتل تک کی دھمکی کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے طے شدہ پروگرام کی تکمیل کے لئے جلسہ گاہ کی جانب

---

۱۔ الحسن" والحسین": ص۱۹۱۔ ۱۹۲، الحسین": ص ۱۲۳۔ ۱۲۴، شام کربلا ص: ۱۳۳، کوکب۔ قاضی عبدالنبی: یاد شہید، مطبوعہ مکتبہ ابناء الاسلام، لاہور ۱۹۵۹ء۔ ص ۱۰۳

چلنے کا فیصلہ کیا تھا تو ہمارے سامنے بھی حضرت امام عالی مقامؓ کا یہ واضح لائحۂ عمل موجود تھا۔ اُنہیں جب ایک موقع پر دشمنوں نے کہا کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اُنہوں نے جواب دیا:

"کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ اور کیا تمہاری بدبختی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ تم مجھے قتل کر دو گے؟ مَیں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا جواب دوں۔ مَیں صرف وہی جواب دے سکتا ہوں جو اوسؓ کے چچیرے بھائیوں نے اسے اس وقت دیا تھا جب وہ رسولؐ اللہ کی مدد کو جا رہے تھے اور اوسؓ نے انہیں کہا تھا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ اگر تم رسولؐ اللہ کی مدد کو نکلو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا تھا۔ "مَیں عنقریب روانہ ہو جاؤں گا اور موت جواں مرد کے لئے عار نہیں، جب اس کی نیت ٹھیک ہو اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔ اور جب وہ جان دے کر نیک لوگوں کا مددگار بنے اور ملعون اور مجرم سے علیحدگی اختیار کرے۔ اگر مَیں زندہ رہا تو نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو میرے لئے رنج کی کوئی بات نہیں۔ ہاں تمہارے لئے ذلّت ہی ذلّت ہے خواہ تم نہایت عیش و آرام کی زندگی گذارو"۔ ۲

# کُوفیوں کی ندامت اور توبہ

کوفیوں کے غدر و نفاق[۳]، بزدلی، بے حمیتی، اقتدار پرستی اور جاہ طلبی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے ہزارہا خطوط لکھ کر امام عالی مقامؓ کو بلایا تھا اور اپنے ذاتی نمائندے بھیج کر جلدی کوفہ پہنچنے کی تاکید کی تھی، وہی ابن زیاد کی جانب سے خوف و طمع سے اور حرص و آز کا شکار بن کر مقابلے میں آ گئے۔ امام حُسینؓ کی جانب سے بار بار ایفائے عہد کی تلقین اور

---

۱۔ اوس اور خزرج جنہیں انصار کا لقب عطا ہوا۔ بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے بعد ان کی اولاد یثرب (مدینہ کا قدیم نام) میں آ کر سکونت پذیر ہوئی۔ اوس و خزرج کے باپ کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا۔ ثعلبہ کے دو بیٹے ہوئے ایک اوس دوسرا خزرج۔ انہیں دونوں کی اولاد سے انصار ہیں۔

۲۔ الحسینؓ: ص ۱۰۳، شاہ شہیدان ص ۸۹، شام کربلا: ص ۹۵، الحسنؓ والحسینؓ: ص ۱۶۳

۳۔ کوفیوں کے غدر و منافقت کو آپ نے پہلے خطبے میں ہی طشت ازبام کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن ... کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم میں سے جو شخص ہم سے علیحدہ ہو کر لوٹنا چاہے وہ بلا تامل لوٹ جائے۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں۔..." اس خطبے سے آپ نے آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ ہمارے شیعوں اور خیر خواہوں نے ہمیں بلایا اور پھر انہوں نے شہید بھی کر دیا۔ آخر میں اپنے کرتوت یاد کر کے آہ و بکا اور نالہ و شیون سے لوگوں کو دھوکہ دیا۔

یاددہانی کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئے اور لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو گئے ۔ حتّٰی کہ امامِ عالی مقامؓ کو مع رفقاء اور اہلِ خاندان شہید کر دیا ۔ بعد میں لوگوں کی لعن طعن ، اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے اظہارِ نفرت و حقارت پر نادم ہوئے ۔ ان کے رونے ، پیٹنے اور آہ و بکا اور نالہ و شیون برپا کرنے کا تذکرہ کُتبِ تاریخ میں یُوں مذکور ہے کہ :

"بعد شہادت شہزادۂ مظلوم حضرت سیّدنا امام حُسین رضی اللہ عنہ و دیگر اہلِ بیت و فدائیانِ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قافلہ اسیرانِ اہلِ بیت کا اُونٹوں پر روانہ ہُوا تو جوق در جوق اہلِ کوفہ کا مکانوں کی چھتوں پر ہجوم تھا ، اس مقدس گروہِ دُودمانِ نبوّت کو حالتِ اسیری اور بے سروسامانی میں دیکھ کر مردوزن روتے جاتے تھے ۔ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ، خواہر امام علیہ السّلام اُن کوفیوں کی طرف ایک نظر ملامت و نفرت انگیز ڈال کر مُستفسر ہوئیں کہ اے اہلِ کوفہ ! تم ہماری مظلُومیّت و بیکسی پر آنسو بہاتے ہو تو آخر میرے بھائی کو شہید کس نے کیا ، گلزارِ نبوّت کو تاراج کرنے کی شقاوت و رُو سیاہی کس نے حاصل کی ، افسوس ہے تم پر اور تمہاری ہمدردی پر"۔ [1]

چنانچہ کوفہ میں باہتمام امام حُسینؓ کے شیعہ اپنے سردار سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہوئے ، بے حد شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے ۔

"ہماری توبہ اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم یزیدیوں سے خُون کا مطالبہ کریں"۔

اس عزم کے ساتھ انہوں نے سلیمان بن صرد کو اپنا امیر بنایا ، ان کا نام امیرالتوابین رکھ کر ابن زیاد کی طرف چل پڑے ، جو شام سے ایک لشکر کے ہمراہ عراق کی طرف آ رہا تھا ۔ سر زمین جزیرہ میں عین الوردہ کے مقام پر ابن زیاد سے شہداء کربلا کے خون کا مطالبہ کیا ۔ جس پر لڑائی چھڑ گئی ۔ سلیمان بن صرد ، مسیب بن نجبہ اور اُن کے بہت سے ساتھی مارے گئے ۔ سلیمان جب قتل ہُوا ، اُس کی عُمر ترانوے سال تھی ۔ توابین جنگ سے پہلے جب حضرت امام حُسینؓ کی قبر پر پہنچے تو یک آواز اس طرح چیخ چیخ کر روئے اور ماتم کیا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نہ روئے تھے ۔ یک آواز چلّا کر کہا :۔

"اے ربّ ! ہم نے اپنے پیغمبر کے نواسے کو خراب کیا ۔ ہمارا یہ گناہ بخش دے اور ہماری توبہ قبول کر ۔ تُو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور

---

۱ اشرف ، پروفیسر سید محمد سلیمان : السّور ، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء ، ص ۱۳۹

حضرت حُسینؓ اور اُن کے ساتھی شہیدوں، صدیقوں پر رحم فرما۔ ہم اُسی مسلک پر ہیں جس پر وُہ قتل ہوئے۔ اگر تُو نے ہمیں نہ بخشا اور مہربانی نہ کی تو ضرور بالضرور ہم نقصان پانے والوں میں ہوں گے"۔ ۱

# اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ہم نے امام عالی مقام علیہ السّلام کی شہادت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے یہ امر واضح کیا ہے کہ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کو ملوکیّت میں بدلنے، قوّت و اقتدار سے فرعونیّت، مال و دولت سے استحصال و قارونیّت اور دین اسلام کے نام سے تلبیس اور منافقت پر مبنی جو نظامِ حکومت یزید نے قائم کر لیا تھا، اگر اُس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہوتی تو تاقیامت ساری اُمّت پر یہ الزام عاید کیا جاتا کہ مظلوم، مجبور اور مقہور رعیّت کے جذبات کی ترجمانی کے لئے کوئی نہ اُٹھا۔ ضرری نہیں کہ ہر انقلابی جِدّوجُہد کامیاب ہو۔ راہِ حق میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دینا یہی کامیابی ہے۔ اِسی پر مولانا محمد علی جوہرؔ فرماتے ہیں کہ ؎

قتلِ حُسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آج بھی جب مردانِ حق ایک اعلٰی نصبُ العین کے لئے جِدّوجُہد کا آغاز کرتے ہیں تو اُن کے لئے امام حُسینؓ کی شہادت، خاندانِ اہلِ بیت کی قربانی اور مصائب و آلام میں عزیمت و استقامت ایک زبردست نشانِ راہ اور مینارِ نُور ثابت ہوتی ہے۔ یہ چیز بھی تاریخ کے سنہری اوراق میں رقم ہو چکی ہے کہ ظالم و جابر اور فاسق و فاجر یزید کے مقابلے میں جب سیّدالشُّہداء نے غیر مشروط اطاعت کو قبول نہ کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علم بردارانِ حُریّت کے لئے یہ ایک روشن مثال قائم ہو گئی کہ وہ بھی بمصداق ؎

سر داد، نداد، دست در دستِ یزید
حقّا کہ بنائے لا اِلٰہ است حُسینؓ

آخر دم تک ظُلم کا مقابلہ کرتے رہیں۔ مولانا مُحمّد علی جوہرؔ کے اس تاریخی اعلان "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد" سے بھی یہی مُراد ہے کہ نظامِ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ

---

۱۔ الحسن والحسین، ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، شامِ کربلا، ص ۲۷۲

کے لئے جب مسلمان جان، مال، عزت و آبرو کی قربانی پر آمادہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں یقیناً کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

# امام حسینؓ اُمتِ محمدیہ کے لئے غیرت کا نشان ہیں

افسوس ہے کہ امام عالی مقامؓ کے اس تاریخ ساز کردار کو ہمارے شیعہ دوستوں نے آہ و بکا، نالہ و شیون اور ماتم و الم تک محدود کر رکھا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی نتیجہ نکالا ہے تو یہ کہ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا سلسلہ ہی غلط بُنیاد پر چل پڑا تھا۔ جب کوئی پُوچھے کہ خلافتِ راشدہ میں جناب حیدر کرّار علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ، وزیرِ عدل، مشیرِ خاص بلکہ ہر دَور میں خلافت کے لئے زبردست اعتماد و وقار کا باعث بنے رہے تو یہ نیا فلسفۂ مصلحت گھڑ لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ تعاون اخلاص پر مبنی نہ تھا، وہ بظاہر خلفائے ثلاثہ کے ہر اقدام کی تائید و حمایت کرتے رہے، مگر دل سے انہیں نہیں چاہتے تھے۔ اس عجیب و غریب مصلحت کوشی کو انہوں نے "تقیہ" کا نام دے رکھا ہے۔ حیف ہے کہ بیٹا تو ایک ناپسندیدہ شخص کی بیعت نہ کرے اور اپنا سر نیزے پر ٹنگوا دے، آل و اولاد قربان کر دے، غیر مشروط اطاعت نہ کرے اور آخر دم تک اپنے موقف پر ڈٹا رہے اور باپ مسلسل پچیس سال صدائے حق بلند نہ کر سکے۔ یہ انوکھی محبت ہے کہ اپنے محبوب کو مردانِ حق کے بجائے مردانِ مصلحت کوش کے زُمرے میں ڈال دیا جائے۔ ہم خلفائے راشدینؓ کو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ[۱] ــــ اور رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کی صفاتِ مومنانہ سے متصف پاتے ہیں۔ وہ ایک دُوسرے کے جاں نثار، غم خوار و غم گُسار تھے، للّٰہیت کے اُس مقام پر فائز تھے کہ انہیں رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ[۲] کا سرٹیفیکیٹ عطا ہُوا ــــ بلکہ ہم نے جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد بھی سُنا ہے کہ "جس روز سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے اپنے مصلّے پر کھڑا کیا، ہم سمجھ گئے کہ خلافتِ رسُول کا اُنہیں ہی حقدار بنا دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ابوبکرؓ کے بجائے کسی اور کو سامنے لاتا تو مَیں اس کے مقابلے کے

---

۱ ــــ سورۂ فتح کے آخر میں اس آیہ مبارکہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:-

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۴۸

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (یعنی آپ کے اصحاب) کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل (ایک دوسرے پر مہربانی و محبت کرنے والے) ہیں۔

۲ ــــ اللہ ان سے راضی (ـــــ ان کے ایمان و اخلاص و طاعت کے) اور وہ اللہ سے راضی (اس کے رحمت و کرم سے) ۲۲:۵۸

لئے تلوار اُٹھاتا"۔ اُنہوں نے اس سوال پر کہ ہم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیعت کیوں کی ؟ جواب دیا :

"مجھے اندیشہ تھا کہ اِسلام اور اہلِ اِسلام کی اعانت و نُصرت پر کھڑا نہیں ہوں گا ، تو ممکن ہے اِسلام میں شگاف پڑ جائے یا اس کی عمارت گر جائے ۔۔۔۔ یہ سوچ کر مَیں اُٹھا اور ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی ۔ پھر ان کی درستی معاملات پر کمربستہ ہوگیا ۔ آخر باطل مرگیا اور کفار کے علی الرغم کلمۃ الٰہی سربلند ہوگیا"۔ ۱

نیز شیعانِ علی کے نام ایک جامع خط بدیں الفاظ تحریر فرمایا :

"۔۔۔ ابوبکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی ۔ اُنہوں نے اعتدال سے تجاوز نہ کیا ۔ اُن کے ساتھ میری رفاقت ناصحانہ تھی ۔ مَیں اُن کے سب کاموں میں اُن کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا جن میں کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے ۔

پھر جب ابوبکرؓ کا وقتِ آخر ہُوا تو انہوں نے عُمرؓ کو بلایا اور خلافت سپرد کی ۔ ہم نے اُن کی بات مان لی۔ اطاعت کی ، بیعت سے انکار نہ کیا ۔ اور خیر خواہی کے وطیرے پر قائم رہے ۔ عُمرؓ کی سیرت بھی پسندیدہ تھی اور وُہ عُمر بھر اقبال مند رہے"۔ ۲

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر اسد اللہ تعالیٰ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا :۔

۔۔۔"اے ابوبکرؓ ! خدا تم پر رحمت نازل فرمائے ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور ساتھی تھے اور آپ کے مونس و غم خوار اور معتمد علیہ تھے ۔ بخدا تم تمام اُمت میں سب سے پہلے ایمان لائے اور ایمان کو اپنا خُلق بنایا ۔ تم سب سے زیادہ صاحبِ ایقان ، سب سے غنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی اور اِسلام کے شیدائی تھے ۔ اور اپنے دوستوں کے لئے سراسر خیر و برکت ، بہترین ساتھی اور معاندینِ اسلام کے لئے سراپا قہر و غضب تھے ۔ تم خُلق ، فضل ، ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر

---

۱ نہج البلاغہ (حصہ دوم) ، ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی ، مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل ، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء ، طبع ثانی ، ص ۸۸۱

۲ (حصہ دوم) ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۷ ، ص ۸۸۱

تھے ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے ! تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُس وقت تصدیق کی جب دُوسروں نے تکذیب کی ، اور اُس وقت رسولؐ اللہ کی غم خواری کی جب دُوسروں نے بُخل کیا ۔ خُدا کی قسم ! آپ اُس وقت بھی اسلام کے رئیس اور امیر تھے ، جب لوگ اِسلام سے پہلو تہی کر رہے تھے جب لوگ نُصرت و حمایت سے رُکے ہوئے تھے ، تم نے کھڑے ہو کر رسُولِ خُدا کی مدد کی ۔ خُدا نے تم کو صدّیق کو کہا۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖ کے آپ مِصداق ہیں ۔ تم اِسلام کی پُشت پناہ اور کافروں کے بھگانے والے تھے ۔ نہ تمہاری حُجّت بے راہ ہوئی اور نہ تمہاری بصیرت ناتواں ہوئی ۔ تمہارے نفس نے کبھی بُزدلی نہیں دکھائی ۔ تم پہاڑ کی مانند مُستقِل مزاج تھے ۔ تم کو تند ہوائیں نہ اُکھاڑ سکیں ، نہ ہلا سکیں ۔ تمہاری نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ۔ "ضعیف البدن و قوی الایمان" (اپنے معاملہ میں ضعیف اور حق تعالیٰ کے معاملہ میں قوی) ، منکسر المزاج ، اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ، زمین پر بزرگ ، مومنوں میں بڑے ہیں ۔ نہ تمہارے سامنے کسی کو طمع ہو سکتی تھی نہ خواہش ۔ کمزور تمہارے نزدیک طاقتور اور قوی کمزور تھا یہاں تک کہ کمزور کا حق دلا دو"۔ [۱]

علیٰ ہٰذا القیاس سیدنا صدّیق اکبرؓ نے حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی ذات والا صفات کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے" ۔ اسی سِلسلہ میں حضرت شعبیؒ سے مروی ہے ایک مرتبہ حضرت صدّیقِ اکبرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا "اگر ایسے شخص کو دیکھنا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب ہو اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے سب سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہوں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہو وہ اِنہیں دیکھ لے"۔ اور حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا ۔ حضرت علیؑ نے فرمایا "اگرچہ ابوبکرؓ نے ہماری بابت یہ کہا ہے لیکن وُہ مخلوقِ خُدا پر سب سے زیادہ شفیق و مہربان ہیں اور عشقِ الٰہی میں سرد آہ بھرنے والے ہیں ۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار ہیں ، اُنہوں نے رسولؐ اللہ کی خاطر ہر قسم کی مشقت برداشت کی اور حضور صلی اللہ

---

۱ علامہ جار اللہ زمخشری: المواقفۃ بین اہل البیت والصحابۃ ۔ اردو ترجمہ ۔ احتشام الحسن کاندھلوی: خلفاء راشدین اور اہل بیت کرامؓ کے باہمی تعلقات ۔ مطبوعہ مکتبہ رسالہ صحابہ ، لاہور ۱۹۸۶ء ، بار سوم ، ۳۲ ۔ ۳۶

علیہ وسلم پر اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دیا ۔ آپ اکثر حضورؐ کی جانب سے اپنے مال میں سے خرچ کرتے تھے ، سب سے زیادہ بارگاہِ رسالت میں مقرّب تھے "۔[۱]

ساری دُنیا جانتی ہے کہ حضرت علی المرتضٰی اور امیر معاویہ کے مابین مسئلہ قصاصِ عثمان پر زبردست اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور فریقین کی جانب سے متشدّدین نے اختلافات کو مشاجرات اور پھر محاربات تک پہنچا دیا ۔ تاہم امیر معاویہ ہمیشہ حضرت امیر المومنین علی المرتضٰی کی عظمت ، تقوٰی و طہارت ، اصابتِ رائے اور دینی بصیرت کے قائل رہے ۔ حتّٰی کہ جناب امیر علیہ السّلام نے اس بات کا بطورِ خصوصی فضل و موہبتِ ربّانی ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میرا مخالف بھی شرعی معاملات میں مجھ سے فتوٰی طلب کرتا ہے ۔ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے اپنے ایک مصاحب ضرار صدائی کو حکم دیا کہ وُہ اُن کے سامنے حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی سیرت کا نقشہ پیش کرے ۔ اس پر اُس مصاحب نے عرض کی :

«كان والله بعيد المدى شديد القوى يقول فصلاو يحكم عدلا ينفجر العلم من جوانبه وتنطق الحكمة من حواليه يعجبه من الطعام ماخشن ومن اللباس ماقصر وكان والله يجيبنا اذا دعوناه و يعطينا اذا سئلناه وكنا والله على تقريبه لنا وقربه منالا نكلمه هيبة له ولا نبتديه لعظمه فى نفوسنا فيبسم والله عن ثنايا مثل اللؤلؤ المنظوم يعظم اهل الدين ويرحم المساكين ويطعم فى المسغبة يتيمًا ذامقربة ومسكينًا ذامتربة ثم كان يكسو العريان وينظرا للهفان ويستو حش من الدنيا وزهر تها ويانس بالليل وظلمته وكانى به وقدارخى الليل سدوله وغارت نجومه وهو فى محرابه يتململ تململ السليم ويبكى بكاء الحزين

يا دنيا غيرى غيرى أبى تعرضت ام الى تشوقت هيهات هيهات لاحان حينك قد ابتتك ثلثالا رجعة لى فيك فعمرك قصير وعيشك حقير و خطرك يسيرآه من قلة الزادوبعد السفر ووحشة الطريق»[۲]

---

۱ محمد نافع : رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ ، مطبوعہ مکتبہ [illegible] لاہور ۱۹۷۹ء ۔
محمد علی حسین [illegible] : فضائل صحابہ واہل بیت ، مطبوعہ شبیر برادرز ، لاہور ۱۹۸۷ء ۔
محمد عبدالشکور فاروقی : سیرت خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ، مطبوعہ مجلس نشریات اسلام ، کراچی

۲ تقی لسان الملک ، میرزا محمد : ناسخ التواریخ ( جلد ہفتم ، زندگانی امام حسن مجتبیٰ ) ، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر ، قم س ن ، ص ۱۳۲ - ۱۳۵
ہاشم الحسینی [illegible] : جُنَّۃُ الْاَنْوَارِ فِی فَضَائِلِ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہِ الْاَطْہَارِ ( جلد اول ) ، مطبوعہ [illegible] ، قم ۱۳۹۷ھ ، ۱۹۷۷ء ،
ص ۳۳۸

"درجله میگوید سوگند باخدای حقیقت و حشمت علی را هیچ آفریدهٔ پی نبرد و نیر و مندی اورا هیچ خردمندی اوراک تواند سخن بحق کند و حکم بعدل راند ینابیع علوم ربانی بزبان اوسیلان نماید و حکمتهای یزدانی ازان حای او تنطق فرماید از خورش و خوردنی آنرا پسند د که درشت و ناگوار باشد واز جامهای پوشیدنی آنرا پذیرد که کوتاه و نارسا بود سوگند باخدای که هرگز اورا بحاجتی دعوت نکردیم جز اینکه اجابت کرد وبهای سؤال نمودیم اِلّا آنکه عطا فرمود سوگند باخدای بلما تقرب میجوید و مارا بقربت خویش میخواند اوازهول وهیبت و شقل حشمت او ابتدا بسخن توانیم کرد و او با ظهور بشاشت چهره وکشادگی جبین اهلِ دین را عزیز میدارد و مساکین را مستغنی میفرماید و پدر مردگان و درویشانرا روزی میرساند و مظلومان و برهنگان را داد میدهد ومیپوشاند و از دنیا و زینت دنیا پرهیز دوباشبهای تار یار میگردد گویا که من درحضرت اویم گاهی که شب سرا پرده سیاه گسترده و ستارگان درسیاهی روی خود نهفته و علی در محراب چون مرد مارگزیده برخود پیچان و مانند محزونان گریانست و میفرماید

اے دنیا ! مرا فریب توانی داد و غیر مرافریب آیا خویشتن را برمن عرضه میدہی وسوی بمن مطلع و مشرف میشوی دور شوازمن که وقت تو منقضی شد چه من تو راسه طلاق گفتم وازبرای من بسوی تو رجعت تواند بود هماناعمر تو کوتاه و زندگانی تو اندک و شان تو پست است آه ازقلت زادو درازی سفر و هولناکی راه چون سخن بدینجا آورد معاویه بگریست وگفت خداوند رحمت کند ابوالحسن راکه او چنین بود"۔ ۱

ترجمہ ۔ "وہ (علی المرتضٰی) بلند حوصلہ ، نہایت قوی اور امین تھے ، فیصلہ کُن بات کہتے تھے ، عادلانہ فیصلے کرتے تھے ، ان کے ہر سمت سے علم پُھوٹتا تھا ، اور حکمت ٹپکتی تھی ، دنیا اور اُس کی دِلفریبیوں سے متنفّر تھے ۔ رات کی تاریکی میں اُس کی وحشت سے (گھبرانے کے بجائے) اُنس رکھتے تھے کیونکہ وہ قائم اللّیل اور عابدِ شب زندہ دار تھے ، عبرت پذیر اور بہت غوروفکر کرنے والے تھے ۔ مختصر لباس اور سادہ کھانا پسند فرماتے تھے ۔ ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اُس کا جواب دیتے تھے ، وُہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے ، اور خود ہمارے قریب رہتے تھے ، غریبوں کو مقرب بناتے تھے ۔ لیکن ہم لوگ اُن کی ہیبت سے کھل کر گفتگو نہ کر سکتے تھے ، وُہ صاحبانِ دین و تقوٰی کی تعظیم کرتے تھے ، اُن کے سامنے طاقتور باطل کی طمع نہیں رکھ سکتا

---

۱ ناسخ التواریخ (جلد پنجم) : ص ۱۳۴، ۱۳۵

تھا، اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا ۔ بعض مواقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے ، ستارے جھلملا رہے ہیں ، اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشک بار ہوکر کہہ رہے ہیں ، اے دُنیا! کسی اور کو فریب دے ! تو مجھ سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے ، میری مشتاق ہے ۔ افسوس افسوس میں نے تجھے تین طلاقیں دیں ، میری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے ، ہائے ہائے سفر طویل ،راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر قلیل ہے ۔

یہ اوصاف سُن کر امیر معاویہؓ رو دیئے اور کہا : "خدا ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے ۔ بخدا وہ ایسے ہی تھے"۔۱

## نامزدگی اور امیر معاویہؓ

اگرچہ یزید کی نامزدگی کو روزِ اوّل سے لے کر آج تک چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد کسی نے جائز نہیں سمجھا اور نہ ہی حضرت امیر معاویہ کے اِس اقدام کی کسی جانب سے بھی تائید ہوئی ہے ، تاہم ایک پہلو جو اکثر مؤرّخین اور مخالفین کی نگاہوں سے اوجھل رہا وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ اپنی زندگی میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور مشاجرات کو دیکھتے ہوئے خائف تھے کہ اگر اس مسئلہ کو معلق چھوڑ دیا گیا تو اس پر زبردست کُشت و خُون کا احتمال ہے اور مختلف قسم کے تعصبات بالخصوص قبائلی تعصبات کے بھڑکتے ہوئے الاؤ میں کسی شخص پر اتفاق رائے مشکل تھا ۔ بنُو اُمیّہ جو برسرِ اقتدار تھے اُن میں بھی خلافت کے مسئلہ پر اتفاق کی صُورت نظر نہیں آرہی تھی ۔ اِس لئے اُنہوں نے بدلے ہوئے حالات میں سیاسی حکمتِ عملی کے طور پر اس مسئلہ کا حل مناسب سمجھا اور یہ جانتے ہوئے کہ اُن کی ذات آگے جاکر ہدفِ مطاعن و تعریضات بنے گی ، اُنہوں نے اضطراری طور پر اس غیر جمہوری راستے کو اختیار کرلیا ۔ تاہم اس امر کی خاص طور پر تاکید کی بلکہ اپنے وصیّت نامہ میں تحریر کیا کہ امام حُسینؓ کے ساتھ رِفق و ملاطفت کو پیشِ نظر رکھ کر حُسنِ سلوک کرنا ۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں اس وصیّت کی تفصیلات پیش کی ہیں ۔ یہاں اس وصیّت کی اہمیت کے پیشِ نظر متعلقہ فقرات اصل مآخذ سے درج کئے جاتے ہیں :

---

۱۔ [illegible] جلد ۲، ص ۲۱۲۔ بحوالہ تاریخ اسلام (حصہ اول)، از شاہ معین الدین احمد ندوی، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۳۸۲ھ۔

[illegible] جلد ۸، ص ۳۷۷ ـ ۳۷۸

وَالرَّابِعُ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَإِنَّ النَّاسَ تَدْعُوْهُ حَتّٰى يَخْرُجَ عَلَيْكَ فَإِنْ ظَفِرْتَ بِهٖ فَاحْفَظْ قَرَابَتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاعْلَمْ يَابُنَيَّ اِنَّ اَبَاهُ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْكَ وَجَدَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ جَدِّكَ وَاُمَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ اُمِّكَ وَلِلْمَرْءِ مَا بِقَلْبِكَ وَ هٰذِهٖ وَصِيَّتِيْ اِلَيْكَ وَالسَّلَامُ وَطَوَى الْكِتَابَ وَسَلَّمَهٗ لِلضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ الْفِهْرِيِّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يُّسَلِّمَهٗ اِلٰى وَلَدِهٖ ثُمَّ اِنَّهٗ لَمْ يَلْبَثْ حَتّٰى هَلَكَ وَذٰلِكَ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ رَجَبٍ سَنَةَ سِتِّيْنَ مِنَ الْهِجْرَةِ وَضَجَّتْ دِمَشْقُ لِمَوْتِهٖ۔[1]

(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی عدم موجودگی میں وصیّت لکھواتے ہوئے دیگر امور کے علاوہ چار آدمیوں کا ذکر بھی کیا کہ وُہ یزید کے مقابلہ میں شاید آ جائیں تو ان سے مقابلہ کے وقت اے یزید تجھے کیا کرنا چاہئے ۔ یہ تحریر کیا ۔ ان چار میں سے ایک امام حُسینؓ بھی تھے ، ان کے بارے میں وصیّت لکھی)

"چوتھے آدمی حُسین بن علی ہیں ، جن کو کوئی لوگ دعوت دیں گے ۔ حتّٰی کہ وہ (حُسینؓ) تجھ پر خروج کریں گے ۔ تو اگر تم ان کو پکڑنے اور شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی قرابت ضرور ذہن میں رکھنا ۔ بیٹا ! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ حُسینؓ کا باپ تمہارے باپ سے ، اُن کے نانا تمہارے نانا سے ، اُن کی والدہ تمہاری والدہ سے کہیں بہتر ہیں اور آدمی کے لئے وہی ہے ، جو تمہارے دل میں ہے ۔ والسّلام

اس کے بعد وصیّت نامہ لپیٹ کر بند کر دیا ، اور ضحاک بن قیس الفہری کے سپرد کرتے ہوئے حکم دیا کہ یہ وصیّت نامہ میرے بیٹے کو دے دینا ۔ اس وصیّت کے بعد حضرت امیر معاویہ بہت جلد دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ یہ رجب کی پندرھویں رات ۶۰ ہجری کا واقعہ ہے ۔ پورا دمشق امیر معاویہ کی موت پر کانپ اُٹھا"۔

---

[1] [illegible] مقتل ابی عبداللہ الحسین (مقدمہ) مطبوعہ [illegible]

# ایک قابلِ غور نکتہ

حادثۂ کربلا کے زہرہ گداز، جگر پاش اور دردناک واقعات پڑھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اہلِ کوفہ نے جناب امام علیہ السّلام کے مقام و مرتبہ اور عزت و عظمت کو جانتے کے باوجود آپ کے دشمنوں کا ساتھ دیا اور مقابلے میں صف آرا ہو گئے؟ حالانکہ اُس دَور میں صحابہ کی خاصی تعداد موجود تھی اور اُنہی کی طرف امام عالی مقام نے اشارہ بھی کیا، اگر تم میری عظمتوں کو نہیں جانتے تو صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ صحابہؓ کے علاوہ تابعینؒ کی کثیر تعداد بھی موجود تھی۔ پھر دعوت دینے والوں نے کیوں بد عہدی کی اور کیوں منہ پھیر لیا۔ اِس کا جواب معلوم کرنے کے لئے حال کو ماضی کے آئینے میں دیکھنا ضروری ہے۔ تاریخ ایک بہت بڑا سبق سکھاتی ہے اور بتاتی ہے کہ جہاں اعداؤ معاندین نے مقابلہ کیا اور منافقین نے کین و دروغ سے کام لے کر اپنا اُلو سیدھا کیا وہاں ہمدرد اور موافقین کے جذباتِ تعاون و ایثار بھی سرد پڑ گئے۔ کیونکہ خواہشاتِ نفسانی کی کشش اور مادّی منفعت کے لالچ نے شرفِ انسانیت کی تمام اقدار کو گدلا دیا تھا۔

آپ نے سانحۂ کربلا میں جناب مُسلمؓ کے کوفہ میں ورود اور اس کے ساتھ ہزار ہا مسلّح لوگوں کی حمایت کا تذکرہ پڑھا ہو گا، بلکہ یہ بھی نوٹ کیا ہو گا کہ کم و بیش اٹھارہ ہزار اور بروایتِ دیگر چالیس ہزار کوفیوں نے امام مُسلمؓ کی قیادت میں دارُالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مگر ابنِ زیاد کی عیاری اور مکّاری نے سردارانِ قبائل کو نوجوانوں سے کاٹ دیا اور مادّی منافع کے انقطاع کا خطرہ اور وظائف کی بندش کی دھمکی دے کر امام مُسلمؓ کے تمام سربکف مُتبعین کو بھی تذبذب میں ڈال دیا۔ تخویف اور ترهیب کے ساتھ حرص و طمع کی ترغیب نے بڑا کام کیا۔ الغرض ابن زیاد اپنی چال میں کامیاب ہو گیا اور امام مُسلم یکّہ و تنہا رہ گئے۔ علاوہ ازیں دُشمن کی عیاری کے مقابلے میں امام مُسلم نے عفوو درگذر کی جواں مردانہ صفات کی بنا پر ابنِ زیاد کو اُس وقت بچ کر جانے دیا جب وہ مکمّل طور پر اُن کے نرغے میں آچکا تھا۔ امام مُسلمؓ دیوان خانہ ہانی بن عروہ کے متصل ایک کمرہ میں ایک اسکیم کے ماتحت اس لئے بٹھائے گئے تھے کہ جب ابنِ زیاد، شریک بن اعور کی عیادت کے لئے آئے تو بے خبری میں اُس کا کام تمام کر دیں۔ مگر قابو میں آجانے کے باوجود امام مُسلم نے ابن زیاد کو صحیح اور سالم واپس جانے دیا، جب پوچھا گیا کہ دُشمنِ خدا و رسول اور دُشمن اہلِ بیتِ رسول

کو آپ نے زندہ و سلامت کیوں جانے دیا حالانکہ وہ آپ کے قتل کا حکم دے چکا تھا ، تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم اہلِ بیت ، دھوکہ اور فریب دہی سے نفرت کرتے ہیں" اور بموجب حدیثِ رسول "کوئی مسلمان دُوسرے مسلمان پر چھپ کر حملہ نہ کرے"۔ دُشمن کو بے خبری میں قتل کرنا جواں مردی نہیں ہے۔

اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ایک طرف شرافت ہے ، اُس کے مقابلے میں مکمّل خباثت ، ہر قسم کے داؤ پیچ کو کام میں لا کر مطلب بر آری کے لئے موجود ہے ۔ نتیجتاً عالمِ چون و چند میں شرافت ہی شکست کھائے گی ۔ ہم اپنے دَور میں دیکھ رہے ہیں کہ الیکشن میں دھن دھونس دھاندلی سے باطل کامیاب ہو جاتا ہے اور بے سازو یراق شرافت ناکام رہتی ہے ۔ اس کشمکش میں فراستِ مومنانہ باطل کے توڑ کے لئے مکمّل منصوبہ بندی کی ہدایت کرتی ہے ۔ بہر حال اخلاقی ، رُوحانی اعتبار سے امام مُسلمؓ کا پلڑا بھاری ہے اور وہ کامیاب ہیں ۔ لیکن عالمِ اسباب میں دُشمن کے مقابلے میں عفوِ بے جا کا نتیجہ کچھ اور ہی مرتب ہوتا ہے ۔ بظاہر ابنِ زیاد اور یزید کامیاب رہے اور شرافت بے سازو یراق کے پیکر امام مُسلم ناکام رہے ، مگر رُوحانی اقدار کا فتویٰ اس عالَم میں بھی یہی ہے ؎

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حُسینؓ کا جِسے زندہ رکھتی ہے کربلا

# ایک عبرت آموز واقعہ

ہم نے گذشتہ اوراق میں کوفیوں کے دعوت ناموں کے ذریعے اُن کی تائید و حمایت اور اخلاص و جاں نثاری کے جذبات کو استبدادی طاقت کے دباؤ اور مادّی مفادات کے لالچ سے یکسر بدلتے دیکھا ہے، بلکہ یہی لوگ جو حمایت کا دم بھر رہے تھے، مقابلے میں آگئے۔ اپنی منافقانہ کارستانیوں اور ذلّت آمیز ستم رانیوں کا پردہ اُس وقت فاش ہُوا جب اِن لوگوں نے امام عالی مقام اور آپ کے جاں نثاروں کو شہید کرنے کے بعد نفسِ لوّامہ کی تحریض پر توّابین کا روپ دھارا اور پھر اپنے انجام کو پہنچے۔

بندگانِ حرص و آز اور طالبانِ متاعِ غرور، انقلابِ زمانہ کے ساتھ جیسے رنگ بدلتے ہیں وُہ تاریخ کے ہر دَور میں نمایاں ہے۔ ہم نے حادثۂ کربلا کے تذکرے میں اس امر کو واضح کیا ہے کہ تخویف و ترہیب اور طمع و تحریص سے لوگ وفاداریاں بدل لیتے ہیں۔ اس کا مضحکہ خیز نمونہ ہم آج کل کے لیل و نہار میں بھی دیکھ رہے ہیں۔ لوگ وزارت، مشارت کے لالچ میں اپنے اُصول قربان کر دیتے ہیں۔ اپّوزیشن میں بیٹھ کر خُفیہ طور پر ع "نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز است" ضمیر کے سودے کرائے جاتے ہیں، بعض کم تر قیمت پر بِک جاتے ہیں۔ الغرض انسانی ضمیروں کا نیلام وزارت کی منڈی میں ہوتا رہتا ہے۔ کچھ پلاٹوں پر قانع ہو جاتے ہیں اور کچھ الاٹمنٹ پر اور اکثر ایسے ہیں جو جھوٹے وعدوں پر منتظرِ فردا رہتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنی سیاسی زندگی میں کئی بار اس قسم کے تماشے دیکھے ہیں۔ بقول حضرت علّامہ

ے شیاطینِ ملوکیّت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری[1]

جُون ۱۹۵۵ء میں پاکستان کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی (Constituent Assembly) کو گورنر جنرل غلام محمد (م ۔ ۱۹۵۸ء) نے توڑ دیا اور نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ پنجاب سے مجلسِ آئین ساز کے ممبر کو منتخب کرنے کے لئے صُوبائی اسمبلی کے کم از کم سات ممبروں کی ضرورت پڑتی تھی۔ احباب کے تقاضا پر کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی رکنیت کے لئے مَیں نے کاغذاتِ نامزدگی داخل کر دیئے۔ مولانا سیّد محمّد داؤد صاحب غزنوی (م ۔ ۱۹۶۳ء) نے میرے دوستوں کو ترغیب دی، بلکہ خود وہی اس کے محرّک بنے کہ مجھے آئین ساز اسمبلی میں ضرور بھیجا

[1] ارمغان حجاز: ص ۲۶۲

جائے ۔ دس ممبرانِ پنجاب اسمبلی نے (بدیں الفاظ پنجاب اسمبلی سے دستوریہ پاکستان کے بے نمائندگان کے انتخاب کے سِلسلہ میں ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ مولانا عبدُالستار خان نیازی بہترین نمائندہ ہو سکتے ہیں ۔ ہم سب کے ووٹ ان کے لئے مخصوص تھے ۔ لیکن حکومت نے عین اس وقت جبکہ نیازی صاحب کے حق میں رائے بہترین صورت میں اُستوار ہو رہی تھی ، ان پر پابندی عائد کرکے پنجاب اسمبلی کی رکنیت سے محروم کر دیا ۔ حکومت کے رویہ کو تقریباً تمام حلقوں میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور یہ محسوس کیا گیا کہ حکومت نے مخصوص مفاد کے پیشِ نظر نیازی صاحب کو دستوریہ میں جانے سے روک دیا ہے ۔ بہرحال ہم اب بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ نیازی صاحب پنجاب اسمبلی کی طرف سے بہترین نمائندہ دستوریہ پاکستان میں ہو سکتے ہیں ، اگر ان کو موقع دیا جائے تو ہمارے ووٹ ان کے لئے مخصوص ہوں گے ۔) میری حمایت کا اعلان کیا تھا ۔ اُن کو قابو کرنے کے لئے حکومتِ وقت نے ہر قسم کے ہتھکنڈے اور حِیلے استعمال کئے ۔ مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی صاحب مرحوم کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بھی اُن پر بہت دباؤ ڈالا گیا ، مگر اُنہوں نے جرأت و مردانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں مولانا نیازی کا نہ صرف مؤیّد ہوں بلکہ خود اُن کا نام بھی مَیں نے تجویز کیا ہے ۔ مولانا کے علاوہ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب نے بھی تائید و حمایت کا وعدہ فرمایا تھا جس پر وہ آخر دم تک قائم رہے ۔ لیکن باقی آٹھ حضرات برسرِاقتدار پارٹی کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو گئے ۔ مَیں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ ہتھکنڈوں کی نوعیت کیا تھی ۔ تاہم جس خوشدلانہ اور رِضاکارانہ جذبے کے ساتھ اِن احباب نے میری تائید و حمایت میں دستخط کئے ، میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اُنہیں ایفائے عہد سے روک دیا جائے گا ۔ مگر جُونہی اربابِ حکومت کو علم ہُوا کہ دس ایم ۔ ایل ۔ اے صاحبان نے ہمیں مجلسِ آئین ساز میں بھیجنے کا تحریری وعدہ کر لیا ہے تو حکومت کے اَیوانوں میں کھلبلی مچ گئی ، اِن ممبران کو قابو کرکے میری حمایت سے باز رکھنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے گئے ۔ بعض دستخط کنندگان نے اپنی مجبوری ، معذوری اور بے ڈھب مشکلات کا تذکرہ کرکے معاہدہ کی پابندی سے آزاد ہونے کی درخواست کی ۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کو دستخطی بیان کے عِوض بہت کچھ مل گیا ، بعض کے ساتھ حکومت نے عہدو پیمان کئے اور بعض کے وارے نیارے ہو گئے ۔ بمصداق ع "حسابِ دوستاں دردل" مَیں نے اِن کی لغزشوں پر درگذر اور چشم پوشی سے کام لیا ۔ کیونکہ میرے سامنے سیّد الشّہداء امام عالی مقامؓ کے ساتھ عہدو پیمان کرنے والے بے وفا دنیاداروں کی مثالیں موجود تھیں ۔ اس لئے مَیں نے بھی انسانی طبیعت کے رجحانات ، میلانات اور کمزوریوں کا خیال کرتے ہوئے اس بدعہدی پر صبرو سکون سے کام لیا ۔

بہرحال ان دس ارکان (ممبران لیجسلیٹو اسمبلی) میں سے مولانا سیّد محمّد داؤد غزنوی[۱] صاحب اور جناب نواب زادہ نصرُاللہ خاں صاحب دو اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے عہدو وفا کی پابندی میں صِدق و صفا کی مثال قائم کی اور استقامت کا ثبوت دیا ۔ اربابِ حکومت کی جانب سے ہماری معاوضہ کی پیش کش کرنے والوں کو دُھتکار دیا اور حکیمُ الاُمّت کے اس ارشاد سے

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض  نہیں شُعلہ دیتے شرر کے عوض[۲]

پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حکومت کی پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ۔[۳]

اگر ہم تاریخ کو پیمانۂ اِمرُوز سے ناپیں تو معلوم ہو گا کہ حضرت امام عالی مقام کو کوفہ میں آنے کی دعوت دینے والے اپنے مخصوص مفادات (Vested Interests) کی خاطر حضرت امام کو آلۂ کار بنانا چاہتے تھے اور جو صدقِ دل سے اُن کی سیادت و قیادت پر ایمان رکھتے تھے ، وہ بھی ابنِ زیاد کی عیاری اور مکّاری سے اپنے موقف پر بوجہ بیم و رِجا قائم نہ رہ سکے اور یُوں حق و باطل کے اس معرکہ میں زر پرستوں ، جاہ پرستوں اور اقتدار کے پُجاریوں نے اپنے ذاتی مفاد کو سامنے رکھا اور وقتی طور پر کامیاب ہوگئے ۔

مَیں اپنی باون سالہ سیاسی زندگی میں کئی مدّوجذر دیکھ چکا ہوں ۔ ۱۹۴۱ء میں نیشنل ڈیفنس کاؤنسل (National Defence Council) کے مسئلہ میں جب سکندر حیات ، وزیرِاعظم پنجاب (ف ۔ ۱۹۴۲ء) ، سر فضل حق ، وزیرِاعظم بنگال (ف ۔ ۱۹۶۲ء) ، سر محمّد سعدُاللہ ، وزیرِاعظم آسام (ف ۔ ۱۹۴۳ء) وغیرہ نے قائدِ اعظم رحمتہُ اللہ علیہ کے واضح ، صاف اور غیر مبہم موقف سے انحراف کرتے ہوئے وائسرائے کی قائم کردہ نیشنل ڈیفنس کاؤنسل میں شامل ہو گئے تو اُس وقت مَیں نے پنجاب کے نوجوانوں کی قیادت کرتے ہوئے وزیرِاعظم پنجاب کا مقابلہ کیا ، مظاہرے کئے ، جلسے منعقد کئے اور کانفرنسوں کے ذریعے اس کی غدّاری کو طشت ازبام کیا اور بالآخر ۲۴ ۔ اگست ۱۹۴۱ء کو ہماری جِدّوجُہد کے نتیجے میں سر سکندر حیات نے نہ

---

۱ ۔ حکیم آفتاب احمد قرشی اپنی تالیف "کاروان شوق" مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان ، دانش گاہ پنجاب (پنجاب یونیورسٹی) ، لاہور ۱۹۸۳ء میں رقم طراز ہیں : ۔

"۔۔۔ مولانا داؤد غزنوی پنجاب اسمبلی کے رکن تھے اور اس حیثیت سے ان کا ووٹ تھا ۔ اس انتخاب میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور پیسے دار امیدوار تھے ۔ امیدوار مولانا کی خدمت میں کورے چیک لے کر حاضر ہوئے مگر مولانا داؤد غزنوی نے کہا کہ ان کا ووٹ ایک مجاہدِ دین مولانا عبدالستار خاں نیازی کے لئے وقف ہے ۔۔۔"

(کاروان شوق : ص ۵۰۲)

۲ ۔ بالِ جبریل : ص ۱۲۰

۳ ۔ محمد عبدالستار خان نیازی : ہونا ہے جو ہوئی (قلمی مسودہ)

صرف نیشنل ڈیفنس کاؤنسل سے استعفےٰ دے دیا، بلکہ قائدِاعظم سے معافی بھی مانگ لی[1]۔ یہ دَور ایسا تھا جب کہ سارا پنجاب میرے اس کارنامے کی تعریف میں رطب اللّسان تھا، اور خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں بلادِ برّصغیر میں دورے کرکے مطالبۂ پاکستان کے لئے میدان ہموار کیا۔ ۱۹۵۲ء میں بُنیادی اُصولوں کی بی پی سی رپورٹ[2] (Basic Principle's CommitteeReport) جب منظرِ عام پر آئی تو اس کے مقابلے میں مکمّل مسوّدۂ آئینِ خلافتِ پاکستان پیش کیا، جو مُلک کے اُردُو انگریزی اخبارات میں شائع ہُوا۔ کتاب و سُنّت کی بالا دستی کی وضاحت میں ختمیّتِ احکامِ رسالت کی پابندی لازم قرار دی۔ اسی کے متّصل ۱۹۵۳ء میں تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت میں جو خدمات سر انجام دیں وُہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ اپنے مقصد کے حصُول کے لئے دار و رسن تک پہنچا، سزائے موت سنائی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ سارا ملک اس خاکسار کی مقبُولیّت اور محبُوبیّت کا قائل تھا۔ ۱۹۵٦ء میں تدوینِ آئین کے موقعہ پر اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا۔ ۱۹٦۳ء میں ملک کے دیگر نو سیاسی راہنماؤں کے ساتھ کراچی مقدمۂ بغاوت کا سامنا کرنا پڑا، زندان و سلاسل کے مراحل سے بھی گذرنا پڑا۔ ہر دَور میں آمروں، مطلق العنان حکمرانوں کے مقابلے میں صف آرا رہا۔ گورنرِ پنجاب کالا باغ نے میکلوڈ روڈ، لاہور، داؤد خیل، موسیٰ خیل اور اڈہ لاریاں کالا باغ میں چار بار قاتلانہ حملے کرائے، مگر ہمارے پائے استقامت میں لرزش پیدا نہ ہوئی۔ ۱۹۷٦ء کے دورِ آمریّت میں مجھ پر قاتلانہ حملہ ہُوا۔ ۱۹۷۷ء میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے لئے قیدو بند کی مصیبتیں برداشت کیں اور آج تک مسلسل باطل قوّتوں کے مقابلے میں صف آرا ہوں۔ یہ ساری جِدّوجُہد محض حصُول رِضائے الٰہی کے لئے تھی۔ اس لئے اب بھی اپنے قلندرانہ موقف پر قائم ہوں۔ باون سال سارے ملک بالخصُوص پنجاب اور لاہور کی ہر عوامی جِدّوجُہد میں شاملِ حال رہا اور کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ مَیں نے اس ساری جِدّوجُہد میں کسی سے کوئی مالی امداد حاصل کی ہو۔ مگر باوجود اس کے ۱۹۴٦ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹٦۲ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں اپنے ضِلع کے حلقہ سے امیدوار رہا۔ لاہور کے کسی حلقہ سے مجھے الیکشن کے لئے دعوت نہیں دی گئی اور آج بھی جب کہ الیکشن سر پر ہے، سوائے سابقہ حلقہ کے کسی

---

۱۔ زاہد حسین انجم: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد اول)، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۷ء، ص: ۷٦۷

۲۔ پاکستان کے مستقل آئین کی ترتیب کے سلسلہ میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس نے پارلیمنٹ میں اپنی رپورٹ پیش کرنی تھی۔ رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تو اس پر میں نے ایک مفصل بیان جاری کیا اور ساتھ ہی مسودہ آئین بھی اخبارات میں شائع کرایا۔

دوسرے علاقے کے لوگوں نے اپنے حلقے سے الیکشن لڑنے کے لئے مجھ سے درخواست نہیں کی ۔ اب اگر مَیں لاہور سے کسی حلقے میں انتخاب کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو مقابلے میں آتے ہوئے کسی کو اس امر کا خیال نہیں آئے گا کہ ہماری سابقہ سرفروشانہ خدمات کی کیا اہمیّت ہے ۔ میانوالی میں بھی جو لوگ مخالف ہیں اُن سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں اور نہ ہی کسی دُنیوی معاملے میں اُن سے کوئی مخاصمت پیدا ہوئی ہے ، میری سرفروشانہ سیاسی زندگی اُن لوگوں کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہے ۔ بلکہ کل تک (گذشتہ الیکشن ۱۹۸۵ء میں) ، جو لوگ میرے حوالے سے بطور ادنٰی کارکن الیکشن میں کامیاب ہوئے تھے ، آج وہ اُسی حلقہ سے میرے سامنے آگئے ہیں ۔ لاہور میں کسی جگہ سے بلامقابلہ منتخب نہیں ہونے دیں گے ، اس کی دُوسری وجہ یہ ہے کہ عوام سے رابطہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے سابقہ خدمات ذہنوں سے محو ہو جاتی ہیں ۔ نیز ملّت کی اجتماعی زندگی میں خلل و انتشار پیدا ہو جانے پر عوام پر جماعتوں کی گرفت ختم ہو جاتی ہے اور محبوب و مقبول زعماء ملّت کے فضائل و کمالات سے لوگ بے بہرہ رہ جاتے ہیں ۔

مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ معتبر حضرات میری تعظیم کرتے ہیں ، میری جدّوجُہد سے واقف ہیں اور نیک نامی سے یاد کرتے ہیں ، مگر وہ تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے غیر مؤثر ہیں ۔ اگر مَیں لاہور میں وسیع پیمانے پر اپنی خدمات کا چرچا کروں تو کئی لوگ ہمنوا ہو جائیں گے ۔ مگر نئی نسل ہمارے ماضی سے ناواقف ہے ، اِس لئے یہ لوگ ہر حلقہ میں خود آگے آنا چاہتے ہیں ۔ حالات بدل گئے ہیں اور حق و باطل کی پرکھ کے پیمانے بھی وہ نہیں رہے جو ماضی میں تھے ۔

مَیں نے یہ تفصیل اِس لئے بیان کی ہے کہ ماضی میں بھی لوگوں کا وطیرہ کچھ اسی نوعیت کا تھا ۔ نئی نسل کو کیا معلوم کہ تحریکِ پاکستان ، تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت اور تحریکِ نظامِ مصطفٰی میں ہماری خدمات کیا تھیں ، انہیں تو صرف اپنے مفاد سے غرض ہے ۔ مجھے بعض اوقات لوگوں کو اپنے ماضی سے آگاہ کرنا پڑتا ہے ۔

تشبیہ بلاشبہ اگر کوفیوں نے جناب امام علیہ السّلام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہچانا تو یہ موقعہ پرستوں کی پُرانی روش ہے ۔ سیّدالشہداءؓ نے مؤثر انداز میں اپنا تعارف کرایا اور اس کے لئے مشہور صحابہؓ کو بطورِ گواہ پیش کیا ، اِس کے باوجود دُنیا پرستوں نے اصلاحِ احوال کی جانب توجّہ مبذول نہ کی ۔ اُن کی اس طینت کو بے نقاب کرتے ہوئے آپ نے اپنے خُطبہ میں دُنیا کی بے ثباتی اور ان طالبانِ دنیا کی ابن الوقتی کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا :-

"معاملہ کی جو صُورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو ، دُنیا نے اپنا رنگ بدل دیا ۔

منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے، حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس دیکھتے نہیں کہ حق پس پُشت ڈال دیا گیا؟ باطل پر اعلانیہ عمل کیا جا رہا ہے، لیکن کوئی ہے جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے۔ مَیں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جُرم ہے"۔ ١

اِس پر بھی اُن کی غلامانہ ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

حضرت امام عالی مقام کی چھپن سالہ حیاتِ طیبہ میں خلافتِ راشدہ کا پُورا دَور شامل ہے۔ پھر اپنے والد ماجدؓ اور برادر بزرگوارؓ کی شہادت کے بعد کئی سال امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اکثر سربر آوردہ شخصیات میں صحابہ اور تابعین آپ سے ملتے رہے۔ ظاہر ہے اُن کی عظمت اور تقدس کا حال سب پر واضح تھا، مگر معاشرہ میں دُنیا کی طلب اور جاہ و منصب کے حصُول نے معیار بھی زمانہ سازی کے مطابق بنا دیئے تھے۔ اندریں حالات زمانہ نے اگر حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے گورنر ابن زیاد کے بیٹے عبیدُ اللہ کو جو آپ کے خانوادہ میں ایک غلام کی حیثیت رکھتا تھا، آپ کا مدِمقابل بنا دیا تو سوائے خود غرضی اور جاہ طلبی کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ بروایت طَبری وہ اپنے آپ سے ہمکلام ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ "امام حُسین کا مقابلہ گناہِ عظیم ہے، اُن کے قتل کے درپَے ہونا ناقابلِ معافی جُرم ہے، مگر کوفہ کی گورنری بھی ہر روز نہیں ملتی۔ مَیں گورنری کی خاطر سب کچھ کر گزروں گا، بعد میں توبہ کر لوں گا"۔ یہی جذبات عمرو بن سعد کے تھے۔ اس نے اپنے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ کے مخلصانہ مشورہ کو قبول نہ کیا، اور امام حُسین علیہ السّلام کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ باوجود اس شقاوتِ قلبی کے ضمیر نے اسے ملامت کی۔ بجائے اس کے کہ اصلاحِ احوال کی جانب متوجہ ہوتا، اس نے سنگین جُرم کے ارتکاب کے وقت خود فریبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ شعر کہے ؎

أَأَتْرُكُ مُلْكَ الرَّيِّ وَالرَّيُّ رَغْبَةٌ
أَمْ أَرْجِعُ مَذْمُومًا بِقَتْلِ حُسَيْنٍ

کیا میں رَے کی حکومت چھوڑ دوں؟ اور رَے تو مجھے مرغوب ہے۔ یا حُسین کے قتل سے مذموم ہو کر واپس آؤں۔

---

١ شہادت حسین علیہ السلام: ص ٣٠

مضامین بحر العلوم مرتبہ محمد احمد مصباحی، مطبوعہ مفتی ... پبلشرز، مبارکپور- انڈیا ١٩٨٧ء، ص ١٨٨

وَفِیْ قَتلِهِ النّارُ الَّتِیْ لَیْسَ دُوْنَهَا
حِجَابٌ وَ مُلْکُ الرَّیِّ قُرَّةُ عَیْنِیْ[1]

ان کے قتل کی سزا وہ آگ ہو گی جس کے آگے کوئی حجاب نہ ہو گا اور رَے[2] کی حکومت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

دیکھئے! ابلیس لعین کے اغوائے شیطانی نے اسے کِس قعرِ مذلّت میں گرا دیا تھا۔ علیٰ ھٰذا القیاس ابنِ سعد جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خالِ مکرّم، مستجاب الدّعوات، فاتحِ ایران، سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (شامل عشرہ مبشرہ) کے صاحبزادے ہیں اور اہلِ بیتِ رسُول کے غلام بے دام کی زندگی گزارتے رہے ہیں، خود مصالحت کی کوشش میں حضرت امام کے موقف کی صحت کا اقرار کرتے ہیں اور غیر مشروط بیعت کو امام حُسین کی غیرتِ مومنانہ کی توہین قرار دیتے ہیں۔۔۔ محض اپنی نائب گورنری کو بچانے کی خاطر بالآخر مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔۔۔اور شمرِ لعین کو گواہ بنا کر کہتے ہیں۔ "دیکھو پہلا تیر مَیں نے چلایا ہے"۔ یزید خود قریبی رشتہ دار ہے، اُمّ المؤمنین سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا برادر زادہ ہے، حصُولِ اقتدار کی خاطر جانی دُشمن بن گیا اور اپنے باپ کی وصیت کے باوجود حُسنِ سلوک پر مائل نہ ہُوا۔ نیز شمر، ابن زیاد اور ابن سعد کے سنگدلانہ طرزِ عمل پر اُن کو سزا دینے کے بجائے انہیں مناصب پر بحال رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ خدا و رسول کا اسے کوئی حیا نہ رہا تھا۔ خود شمرِ لعین جو حادثۂ کربلا میں ننگِ انسانیت کا کافرانہ کردار ادا کرتا ہے، اس کی پھوپھی اُمّ البنین حضرت سیّد الشُّہداء کی سوتیلی ماں ہے اور اس کے چار لڑکے حضرت امام کے سوتیلے بھائی ہیں اور شمر کی جانب سے جاں بخشی کی ضمانت کے باوجود آپ پر جانیں قربان کر دیتے ہیں۔۔۔یہ رشتے موجود ہیں مگر شمر زہریلا دُشمن بن جاتا ہے۔۔۔ان سب کا معاندانہ رویّہ ثابت کرتا ہے کہ لوگوں نے بقول شاعر "متاعِ قلیل" کی خاطر دین و ایمان کو فروخت کر دیا تھا۔

رَأَیْتُ[3] النَّاسَ مُذْ خُلِقُوْا وَکَانُوْا
یُحِبُّوْنَ الْغَنِیَّ مِنَ الرِّجَالِ[4]

---

۱۔ الکامل فی التاریخ (جلد چہارم): ص ۵۳، آئینۂ قیامت: ص ۲۵
۲۔ رَے خراسان کا ایک علاقہ ہے جو تہران کے جانب جنوب مشرق میں تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔
۳۔ جب سے لوگ پیدا کئے گئے میں نے دیکھا کہ وہ مالدار آدمیوں سے محبت کرتے آئے ہیں۔
۴۔ محمد شفیع، خان بہادر: لطائف الأخبار، (حصہ منظومات)، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۲۵ء۔ طبع چہارم، ص ۹

ان تاریخی حوالوں کو سامنے رکھو اور فیصلہ کرو کہ کیا آج ہمارے معاشرہ میں یزیدیت، ابن زیادیت اور شمریت کے ناپاک مظاہر موجود نہیں۔ فلسفہ شہادتِ حُسین کی رُو سے حُسینیت ایک مشن ہے، تاقیامِ قیامت یہ مشن جاری رہے گا اور ہر دَور کے یزیدوں اور ابن زیادوں سے اس مشن کے علمبردار ٹکراتے رہیں گے۔

کاش شیعہ و سُنّی اس نکتے کو سمجھ لیں اور واقعاتِ ماضی پر حادثہ کربلا کے انطباق کے بجائے اُسوۂ شبیری کو اپنے لئے مینارِ نُور بنا کر نعرۂ حق و صداقت بلند کرتے ہوئے مجاہدانہ کردار پیش کریں۔

ستم ظریفی ملاحظہ ہو کر حادثۂ کربلا کو ابُو مُسلم خراسانی (م ـ ۱۳۷ھ/۷۵۵ء) نے بنُو اُمیّہ (۴۱ھ ـ ۱۳۲ھ/۶۶۱ء ـ ۷۵۰ء) کی سلطنت کو ختم کرنے کے لئے بطورِ حربہ مؤثر انداز میں استعمال کیا۔ بنُو اُمیّہ کا تختہ اُلٹ گیا۔ بنُو عباس (۱۳۲ھ ـ ۶۵۶ھ/ ۷۵۰ء ـ ۱۲۵۸ء) نے برسرِاقتدار آنے کے بعد خلافت کو ملوکیّت میں بدل دیا۔ آج تک مختلف ادوار میں امام عالی مقام کی مظلومیّت کا چرچا کرکے اَیوانِ اقتدار میں زلزلے پیدا کئے جاتے رہے ہیں۔ نہ جانے کب تک یہ روش قائم رہے۔ مَیں محبانِ اہلِ بیت اور پرستارانِ امام عالی مقام کو بالخصوص اور مِلّتِ اسلامیہ کو بالعُموم متوجّہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ حادثۂ کربلا کی اصل حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کریں۔ ملوکیّت، لادینیت اور غیر اسلامی نظام ہائے سیاست کو بدلنے کے لئے اُسوۂ شبیریؓ کی اِتّباع کریں ـــ اور خاص طور پر امتناعِ فرعونیّت (شرک اور ظلم کی ممانعت)، امتناعِ قارونیّت (ظلم اور استحصال کی ممانعت) اور امتناعِ یزیدیّت (تلبیسِ دین اور منافقت کی ممانعت) کے سہ گانہ اُصول کو سامنے رکھ کر تمام اہلِ اسلام، خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے قیام کے لئے جِدّوجُہد کا آغاز کریں۔ حادثۂ کربلا اس جِدّوجُہد کے لئے قوت محرّکہ ثابت ہو گا۔ شیعہ سُنّی، اختلافات سے بالاتر ہو کر اُصولی سیاست یعنی نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کے لئے مل کر جِدّوجُہد کا آغاز کریں ـــ اور مذکورہ بالا ہر سہ اُصول کو مدِنظر رکھ کر اس امر کا اعلان کر دیں کہ وہ امتناعِ فرعونیّت، امتناعِ قارونیّت اور امتناعِ یزیدیّت کو آئینِ پاکستان میں بطور سہ گانہ اُصول شامل کرا دیں گے۔ یہاں پر ہر سہ اُصول کی وضاحت کی جاتی ہے :۔

---

۱۔ عبداللہ سفاح نے عباسی حکومت کی بنیاد رکھی۔ مگر اس کی حکومت قائم کرنے میں ابو مسلم خراسانی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سفاح کے دور میں ابو مسلم امیرِ حکومت سے زیادہ با اقتدار تھا۔ سفاح اور ابو مسلم نے امویوں کو چن چن کر قتل کیا۔ سفاح کے برسرِاقتدار آنے کے بعد ابو مسلم خراسانی نے ان تمام تحریکوں کا بھی صفایا کرا دیا جو عباسیوں کے مقابلہ میں علویوں کے طرفدار تھے۔ سفاح کے بعد ابو جعفر منصور عباسی نے پہلے تو ابو مسلم خراسانی کی مدد سے اپنے چچا کی بغاوت فرو کی۔ لیکن بعد میں جب اسے یقین ہو گیا کہ ایرانی اس کے وفادار نہیں، بلکہ اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں، تو اس نے ابو مسلم خراسانی کا کام بھی تمام کر دیا۔

## ۱۔ اِمتناعِ فرعونیت (شرک اور ظلم کی ممانعت)

"سرکاری اختیارات یا سرکاری اختیار کے بہانے ، یا انفرادی اقتدار سے کسی شخص یا گروہ کی آزادیٔ کردار پر کوئی پابندی سوائے آئین ، قانون ، یا معاہدۂ قانونی کی تعمیل کے عائد نہ کی جائے گی ۔ عدالتِ متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ جبر کی نوعیت ، مقدار ، اور طریقہ کہاں تک جائز تھا ۔

ہر شہری کو اختیار ہو گا اور اس کا فرض ہو گا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا موزوں مقابلہ کرے جو اقتدار کو استبداد یا بیداد کی غرض سے استعمال کرے ، بشرطیکہ متعلقہ عدالت میں اقتدار کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت ثابت ہو جائے ۔ قرآن میں شرک اور ظلم کی ممانعت اور فرعون کی مثال اقتدار کے ناجائز استعمال یا استبداد کا مفہوم واضح کر دیتی ہے ۔

## ۲۔ اِمتناعِ قارونیت (ظلم اور اِستحصال کی ممانعت)

سرکاری دولت ، سرکاری دولت کا اثر یا انفرادی دولت ، کسی شخص کی دولت کی مقدار یا قیمت بڑھانے یا گھٹانے کے لئے استعمال نہ کی جائے گی ۔ نہ ہی کسی شخص کے دولت کمانے کے امکانات پر کوئی پابندی حائل ہونے دی جائے گی ۔ سوائے اس صُورت کے کہ آئین ، قانون یا معاہدۂ قانونی کی تعمیل میں اس کی ضرورت محسوس ہو ۔ عدالتِ متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ آیا کسی اقتصادی کارروائی کی نوعیت ، حدود اور طریقے جائز ہیں یا نہیں ۔

## ۳۔ اِمتناعِ یزیدیت (تلبیسِ دین اور منافقت کی ممانعت)

اسلامی اصطلاحات کسی شخص ، گروہ یا طبقہ کے غیر اسلامی اعتقادات ، مفادات یا تجاویز کے تحفظ ، تقویت یا فروغ کے لئے استعمال نہ کی جائیں گی ۔ عدالتِ متعلقہ ہر مقدمہ میں فیصلہ کرے گی کہ آیا کسی قول ، فعل یا رویہ سے دین کی تلبیس کا ارتکاب ہوتا ہے یا نہیں ۔

ہر شہری کو اختیار ہو گا اور اس کا فرض ہو گا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا مقابلہ کرے جو اسلامی اصطلاحات کو ناجائز مقاصد کے لئے آڑ بنا کر استعمال کر رہی ہو، بشرطیکہ متعلقہ عدالت میں اسلام کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت ثابت ہو جائے۔

قرآن مجید میں منافقت کی ممانعت اور اسلامی تاریخ میں یزید کی مثال واضح کر دیتی ہے کہ اسلامی اصطلاحات کے اصل مفہوم سے ہٹ کر ان کے ناجائز استعمال کا مفہوم کیا ہے"۔[۱]

## دعوتِ فکر

محبانِ اہلِ بیت، عزادارانِ حُسینؑ اور اُمّت کے تمام غم گُسارانِ امام عالی مقام کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ حادثۂ کربلا کے اصل مُجرمین کی اسلام دُشمنی اور جمہوریّت کشی کو سامنے رکھنے کے بجائے اُنہیں سابقہ ادوارِ خلافت کو زیرِ بحث لانا کیوں کر لازم و ناگزیر ہے۔ پھر جب عصرِ حاضر میں استحقاقِ خلافت کا مسئلہ اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنے آئین میں طے کر لیا ہے اور خصوصی دفعات میں آئین کے اندر درج کر دیا ہے تو اب اسے زیر بحث لاکر باہم آویزی اور افتراق و انشقاق کا باعث بنانا کہاں تک روا ہے۔ یہاں پر ہم اسلامیہ جمہوریہ ایران کے آئین کی متعلقہ دفعات کا اندراج ضروری سمجھتے ہیں جن کے بعد استحقاقِ خلافت کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے پا جاتا ہے۔

"درجمہوری اسلامی ایران امورِ کشور بایدبہ اتکاءآراء عمومی اداره شود، ازراهِ انتخابات، انتخاب رئیس جمہُور، نمایندگان مجلس شورای ملّی، اعضای شوراہا و نظائر اینہا"۔ یا ازراه ہمہ پرسی درمواردی که دراصول دیگر ایں قانون معین می گردد۔

طبق دستور قرآن کریم: "وأمرُهم شورىٰ بينهم" و "شاورهم فى الأمر"

(قانون اساسی جمہوری اِسلامی ایران: شائع کرده وزارت ارشاد اسلامی، صفحه ۲۳،۲۲)

In the Islamic Republic of Iran the affairs of the country should be conducted according to the general votes of the people

---

۱۔ محمد عبدالستار خان نیازی: تحریک خلافت پاکستان، مطبوعہ چٹان پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۴۸۔۴۹

either through electing a President of the Republic, Representatives of the Islamic Assembly, Members of the Councils, and so forth or through a referendum as provided in other articles of this Constitution. (Article 6).

According to the Qoranic injunctions, "Their affair being counsel between them" (42:38), take counsel with them in the affair," (3:159), Article 7: (Constitution of the Islamic Republic of Iran, Tehran, 1985 p:18)

يجب أن تدارشؤون البلاد فى جمهورية إيران الاسلامية بالاعتماد على رأى الأمة الذى يتجلى بانتخاب : رئيس الجمهورية وأعضاء مجلس الشورى الاسلامي وأعضاء سائر مجالس الشورى ونظائرها ، أوعن طريق الاستفتاء فى الموارد التى نصّ عليها الدستور -

طبقًا لماورد فى القرآن الكريم : (وأمرهم شورى بينهم) و (شاورهم فى الأمر) ؛ دستورالجمهورية الاسلامية فى ايران - الطبعة الاولیٰ ١٤٠٦ هجرية طهران ، ص ١٨

خلفائے راشدہ کے باہمی تعلقاتِ محبّت و خلوص کی موجودگی میں جب کوئی شخص کسی جانب بھی سوئے ظن یا استخفاف کے وساوس یا شُبہات میں مبتلا ہونے لگتا ہے تو اُس کے لئے حکیمُ الاُمّت رحمتہ اللہ علیہ کا انتباہ قابلِ غور ہے ؎

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہُشیار باش
اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ ہُشیار باش![1]

مزید برس مبنی براخلاص دعوتِ عمل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

دلِ بیدار فاروقی ، دلِ بیدار کرّاری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دِل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک[2]
نہ تیری ضرب ہے کاری ، نہ میری ضرب ہے کاری!

---

۱ ۔ بانگِ درا، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، طبع چہل چہارم، ص ۲۲۹

۲ ۔ بالِ جبریل، ص [illegible]

# شہادتِ عُظمیٰ اور وحدتِ مِلّت

آج تک شہادتِ عُظمیٰ کے سِلسلہ میں عاشورۂ محرم میں جو کچھ قوم کے سامنے آیا ہے ، وہ ایک اولوالعزم مردِ مجاہد کے جذبۂ جہاد ، ایثار و قربانی ، ایمانی غیرت و حمیت کو مرکزی نقطہ قرار دینے کے بجائے یزیدیوں کی شقاوت ، ابن زیاد کی وحشت و بہیمیت ، شمر کی دنائت و وقاحت اور وحشیانہ سنگدلی اور بربریّت کے تذکرے کے ساتھ ساتھ امام عالی مقام کی مظلومیّت ، خاندانِ نبوّت کی بیچارگی ، تشنگی ، پریشانی اور ابن زیاد اور یزید کے جبر کی متکبرانہ رعونت اور اہلِ ایمان کے صبرو استقامت کی داستان ہے ۔ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ظالموں نے خاندانِ نبوّت کو ظلم کے شکنجے میں کَس کر خُبثِ باطنی کا مظاہرہ کیا ۔ یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ یہ تمام مصیبتیں اور آزمائشیں سوچ سمجھ کر قبول کی گئی تھیں[1] ـــ یزید کی براہِ راست بیعت ہو یا بالواسطہ ، یہ ایک زبردست کٹھن اور صبر آزما مرحلہ تھا ۔ اگر امام عالی مقام ذرا بھر بھی مصلحت کوشی کو روا رکھتے تو کسی کا بال بھی بیکانہ ہوتا ۔ یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر ، دیکھ بھال کر کیا گیا تھا ۔ دشمن کی قہرمانہ اور ستم گارانہ طینت اور کمینہ فطرت کا شکوہ اُس وقت کیا جاسکتا تھا جب مصائب و آلام کے پہاڑ بے خبری میں اُن کے سروں پر توڑ دیئے جاتے ۔ جب انہوں نے سب کچھ عشقِ الٰہی کی خاطر برداشت کرتے ہوئے نظامِ مصطفٰی کے نفاذ کے لئے سمجھوتہ نہ کیا

---

1۔ استاد شہید مرتضیٰ مطہری (تلمیذ امام خمینی) نے اپنی قابل قدر تصنیف "شہید" میں اسی نقطۂ نگاہ کو واضح کیا ہے :

"ہمارے عوام میں سے بہت سے لوگ صرف حضرت ابو عبداللہ حسین علیہ السلام کی مظلومیت ، بے گناہی اور بے بسی پر روتے ہیں اور انہیں اس بات پر سخت افسوس ہے کہ امام حسین ایک چھوٹے سے بچے کی مانند ایک جاہ طلب شخص کی ہوا اور ہوس کا شکار ہو کر ہلاکت کا نشانہ بن گئے ۔ ان کا خون بہا دیا گیا ۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ شہید ہی نہیں کہے جاسکتے تھے ، چہ جائیکہ انہیں سید الشہداء کے لقب سے پکارا جائے ۔ اگرچہ وہ حضرت مظلوم اور بے گناہ ہیں جیسا کہ اس قسم کے جرائم کی قربانی بننے والے بھی افراد مظلوم اور بے گناہ ہوتے ہیں ۔

امام حسین علیہ السلام محض جاہ پسند افراد کے ہوا و ہوس کی قربانی نہیں بنے تھے ۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس اعتبار سے بھی کہ اس جانکاہ اور روح فرسا واقعہ کی نسبت ان کے قاتلوں کی طرف دی جائے تو ایک جرم ہے ، ہوس کا مظاہرہ ہے ۔ لیکن اس حیثیت سے کہ یہ عظیم اور روح فرسا واقعہ آپ کی عظیم شخصیت کی جانب منسوب ہے "شہادت" ہے ۔ یعنی ایک مقدس اور پاکیزہ مقصد کی راہ میں آپ کا قیام و انقلاب ، زیرکانہ ، مقاومت اور حکیمانہ دفاع تھا ۔"

(بحوالہ شہید ، اردو ترجمہ : سید غلام حسنین کراروی ، مطبوعہ لوح و قلم ، لاہور ۱۹۸۳ء ، ص ۱۶ ـ ۱۷)

تو اس پاکیزہ اور ارفع مقصد کے لئے جو کچھ بھی سر پر آئے ، خندہ پیشانی سے قبول کیا جاتا ہے

راحت ہائے پنہانی جراحت ہائے جاناں را
دریغا! تو نمی دانی جراحت بازِ راحت ہا

ترجمہ ۔ محبوب کی خاطر جو زخم اُٹھانے پڑتے ہیں اُن میں عجیب لذّت محسوس ہوتی ہے ۔ افسوس ہے تجھے پتہ نہیں کہ راحت کیا شئے ہے اور جراحت کیا شئے ہے ۔ جراحت یعنی جو زخم محبوب کی خاطر برداشت کئے جائیں ، اُن سے عجیب لذّت و سرُور ملتا ہے ۔

عاشقانِ پاک طینت سرِ مقتل بھی ایک عجیب قسم کا اطمینانِ قلب محسوس کرتے ہیں ، بلکہ اپنی اس سرفروشی و جانبازی کی کیفیت کا تذکرہ ، محبوبِ حقیقی کے سامنے فخر و انبساط سے کچھ اس طرح کرتے ہیں ؎

بجُرمِ عشقِ تو ام میکشند غوغائیست
تو نیز برسرِ بام آکہ خوش تماشائیست

ترجمہ :۔ تیرے عشق کے جُرم میں مجھے قتل کر رہے ہیں ، تُو بھی برسرِ عام آکر ملاحظہ فرما کہ تیری محبّت میں قتل ہونے کا نظّارہ کیسا شاندار ہے ۔

شہادتِ حُسینؓ کے تذکرے میں ابوالکلام آزاد نے خاندانِ نبوّت کا مقام اور عظمت بیان کرتے ہوئے اشہبِ قلم کی جولانی کا یُوں نقشہ کھینچا ہے :۔

"اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصّہ نہیں لیا تھا ۔ شخصی طور پر جو قربانیاں کی گئیں وہ راہ ہی میں روک لی گئیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے لختِ جگر کو خدا کی نظر کرنا چاہا لیکن اس کا موقع ہی نہ آیا ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سُولی کی طرف بڑھے ، لیکن بچا لئے گئے ۔ آج تک تمام خاندانِ نبوّت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت بھی نہیں کی تھی اور اس کی کوئی نظیر تمام سِلسلۂ انبیاء میں نظر نہیں آئی تھی کہ صرف بھائی ، صرف بیٹا ، صرف بیوی ہی نے مقصدِ نبوّت میں ساتھ نہ دیا ہو ۔ بلکہ بلا تمیز خاندانِ نبوّت کے اکثر اعزّا و ارکان راہِ حق میں قربان ہوئے ہوں ۔

یزید کی شخصی خلافت کی بیعت کے لئے جو ہاتھ بڑھے تھے وُہ اسلام کی جمہوریّت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے ، اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی کے لئے ہُوا کرتی تھیں ۔ اس لئے جب اُسوۂ ابراہیمیؑ کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندانِ نبوّت کے زن و مرد ، بال بچّے ، غرض ہر فرد نے اس میں حصّہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خُون سے زمین کی آغوش اب

تک خالی تھی ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔

پس حضرت حُسین علیہ السّلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی ذات سے ظہور ہُوا تھا اور وُہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی، اس کو حضرت حُسین علیہ السّلام نے اپنی سر فروشی سے مکمل کر دیا۔

خاندانِ نبوّت، دُنیا کے آباد کرنے کے لئے ہمیشہ اُجڑتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ہجرت کی، حضرت موسٰی علیہ السّلام نے گھر بار چھوڑا۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے صحرانوردی[1] کی اور نبوّتِ محمدیؐ کے متبعین میں سے حضرت حُسین علیہ السّلام نے میدانِ کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کر دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السّلام سے خاندانِ نبوّت کا سِلسلہ ملا ہُوا ہے۔ اُنہوں نے ایک وادی غیر ذی زرع میں شدّتِ تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ حضرت حُسین علیہ السّلام نے بھی میدانِ کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا"۔[۲]

اس عظیمُ الشّان قُربانی کو محض یزیدیوں پر لعنت اور خاندانِ نبوّت کی مظلُومیّت پر آہ وبکا، رنج و غم، ماتم والم، شیون وبین میں گزار دینا اس عظیم قُربانی کی نا قدری ہے۔ غم ایک طبعی فطری عمل ہے، لیکن اس پر ساری تحریکِ جہاد کو ختم کر دینا کوئی دانشمندی نہیں۔ ہم نے بار ہا اس امر کا اعلان کیا ہے کہ قوت واقتدار کے غلط استعمال کا نام فرعونیت، مال و دولت کے استحصال اور غلط استعمال کا نام قارونیت، اور دین کے غلط استعمال کا نام تلبیس و منافقت ہے۔ یزیدیت ان تمام باطل نظریات کا مظہرِ اَتَمّ ہے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ اگر آج خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت قائم نہیں ہو رہی تو اس میں کون روکاوٹ ڈال رہا ہے۔ ہمارے ملک میں یزید کا پارٹ کون ادا کر رہا ہے، کون ابنِ زیاد بن رہا ہے اور کس نے شمرِ لعین کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ ساری اُمّت ان باطل قوّتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو کر رسمِ شبیریؓ ادا کرے۔ اس تقریبِ عاشورہ کو کسی خاص فرقے یا گروہ تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اُمّتِ محمدیہؐ کے تمام طبقات، خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے قیام کے لئے ایک دُوسرے سے تعاون کریں اور امام عالی مقام کے منشور نظامِ مصطفٰی کے نفاذ کے لئے متفقہ جدوجہد

---

۱ مصنف نے یہاں صحرانوردی کی جگہ "آوارہ گردی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۲ شہادت حسین علیہ السلام، ص ۱۱۰۔ ۱۱۲

کرنا۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ ساری اُمّتِ محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے اس اعلیٰ مقصد کے لئے اُسوۂ شبیریؓ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں میں غفلت اور کوتاہی دیکھتے ہیں تو بصد افسوس اعلان کرتے ہیں ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حُسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دِل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات![1]

دُوسری طرف حکیم الامت قافلۂ حجاز کے ساتھ "ریگِ عراق" اور "کشتِ حجاز" کی طرف سے بھی اُمّتِ محمدیہؐ کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتے ہوئے شہزادۂ گلگوں قبا کے خون کو کشتِ ملت کی سرسبزی و شادابی کا عُنوان بنا رہے ہیں ؎

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تَشنہ کام
خونِ حُسینؓ باز دِہ کوفہ و شامِ خویش را[2]

الغرض ہم یزیدیت کے استبداد و بیداد کو ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ ماضی میں ملوکیت اور استبداد کا مظہر ، فرعون کہتا تھا کہ اپنی رعایا کا مَیں رب ہوں ۔ اس لئے میرا حکم مانو ، خدا کی عطا کردہ شریعت مت تسلیم کرو ، تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے ۔ سرمایہ دارانہ استحصال و استبداد کا مجسمہ قارون کہتا تھا ۔ میرا مال صرف میرا ہے ، مَیں نے اپنے علم سے حاصل کیا ہے ، مُوسیٰ علیہ السّلام کو خدا کے نام پر، مجھ پر پابندیاں عاید کرنے اور حاجتمندوں کے لئے خرچ کرا دینے کا کوئی حق نہیں ۔ ریاکار مدعیٔ اسلام ، یزید "امیرالمومنین" کا مقدّس لقب اختیار کر کے کہتا تھا کہ میرے اعمالِ بد پر اعتراض کرنے سے مسلمانوں کی سالمیّت خطرے میں پڑ جائے گی ، حُسین علیہ السّلام تقوٰی کا نام لے کر انتشار اور بغاوت پھیلانا چاہتا ہے ـــــ آج ان تمام برائیوں کا مجسّمہ ، اشتراکیت کا دجّال کہتا ہے ۔ مَیں تمہارے شکم کی شہوتوں کی تسکین کا سامان فراہم کروں گا ، حلال و حرام کی بحثیں ترک کر دو ، دولت کے مزے اڑاؤ اور صرف مجھ کو اپنا حاکم ، مالک اور رزّاق تسلیم کر لو ۔

فرعونیت ، قارونیت ، یزیدیت اور دجّالیت کے جبرو استبداد نے جارحانہ قومیّت ، اشتراکیت ، فسطائیت ، لادین پارلیمانیت اور علاقائیت کے جو نقاب اوڑ رکھے ہیں ، اور ان

۱ ـــ بالِ جبریل : ص ۱۱۲
۲ ـــ زبورِ عجم (حصہ اول) ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۸ء ـ بار ششم ص ۱۴

نقابوں کے نیچے قدرِ حُریت اور شرفِ انسانیت کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے ——— متقاضی ہے کہ ہم اُسوۂ شبیریؑ کو سامنے رکھ کر دجل و تلبیس کے پردے چاک کر دیں اور دُنیا کو بتا دیں کہ ان تہ بہ تہ گمراہیوں اور متعفّن خباثتوں سے نجات پانے کے لئے خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت سے وابستگی ضروری ہے ——— شرعی خلافت جس کے لئے امام عالی مقام نے سب کچھ قربان کر دیا ، ایسی لازوال طاقت ہے جوان تمام لعنتوں ، نحوستوں اور بیماریوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھتی ہے اور اُمّتِ محمدیہ کو ایمان ، عرفان ، تقویٰ ، طہارت اور اخوت ، حُریت اور مساوات کا سبق دے کر آخرت کی بھلائی کا راستہ ہموار کرتی ہے ۔

مرد مومن اگر اپنے آپ کو اُسوۂ شبیری سے متصف کر دے تو گردش دوران کے تمام مصائب و نوائب کا مقابلہ کرتے ہوئے حُسین منصور حلاج کی طرح یہ نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے ؎

من[1] حُسینِ وقت و نا اہلاں یزید و شمرِ من
روز گارم جملہ عاشورہ و منزل کربلا
کوہِ ارادتم متزلزل نمی شود
لَوْ بُسَّتِ الْجِبَالُ وَلَوْ دُكَّتِ السَّمَاء

---

[1] میں اپنے وقت کا حسین ہوں اور میرے مخالف یزید اور شمر ہیں۔ میری حقیقی زندگی کل دس دن ہے اور میری منزل کربلا یعنی شہادت ہے۔ میرے ارادے کے پہاڑ میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہیں ہو سکتا چاہے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو اور آسمان پرزے پرزے ہو جائیں۔

# استدراک

بعض تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ عبیدُ اللہ بن زیاد کو عمرو بن سعد کی طرف سے خط ملا جس میں لکھا تھا کہ حُسین نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں یا کسی اور مقام کو نکل جائیں ، اور اگر یہ نہیں تو یزید اُن کے پاس آئے اور بیعت لینے کا مطالبہ پیش کرے ۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ "مجھے یزید کے پاس لے جاؤ تاکہ میں اُس سے اپنا معاملہ طے کرلوں اور اُس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں یعنی بیعت کرلوں"۔ لیکن ثِقہ اور معتبر روایات شاہد ہیں کہ امام حُسین نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا تھا کہ وہ یزید کی بیعت کرلیں گے ۔ کیونکہ اگر آپ کی یہی مرضی ہوتی تو وہیں عمرو بن سعد کے ہاتھ پر یزید لعین کی بیعت کر سکتے تھے ، جیساکہ معمول تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقام نے بیعت سے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا ۔ آپ نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ کو یزید کے سامنے کر دیا جائے تاکہ اُس سے مناظرہ کر سکیں اور استحقاقِ خلافت ثابت کر سکیں ۔ امام حُسینؓ کے ساتھ جو لوگ مدینہ منورہ سے چلے تھے اُن میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ حُسینؓ نے یزید کی بیعت کرنے پر کسی وقت بھی رِضامندی ظاہر کی تھی ۔ ان ساتھیوں میں عقبہ بن سمعان بھی تھے ، وہ لکھتے ہیں کہ :-

"مَیں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک امام حُسینؓ کے ساتھ رہا ۔ مَیں نے آپ کی شہادت تک کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا ۔ مَیں نے آپ کے ہر خُطبہ اور بات چیت کو خود سُنا ہے ۔ آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ یزید سے بیعت کرلیں گے ۔ یہ مطالبہ بھی کبھی نہیں کیا کہ مجھے کسی ساحلی سرحدی مقام پر بھیج دیا جائے ۔ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو"۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ بنُو اُمیّہ کے حامیوں نے یہ قِصّہ مشہور کر دیا ہو گا تاکہ اصحابِ حُسینؓ کو یزید کی بیعت پر مجبور کرنے کا ایک بہانہ مل جائے ۔

یہ تاثرات عباس محمود العقاد کے ہیں ۔ ہم نے پہلے سے ہی اسی نقطۂ نگاہ کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ امام عالی مقام ایک اعلیٰ و ارفع پاکیزہ نصبُ العین کے لئے جبر و استبداد کی قوتوں کو چیلنج کرنے کے لئے آئے تھے ۔ انہوں نے اپنا منشور ۸ ۔ محرم ۶۰ھ کو مقامِ بیضا پر پیش کر دیا تھا ۔ اس لئے یزید سے معاملہ طے کرنے یا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (بیعت کرنے) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

---

۱ شاہِ شہیداں : ص ۹۳، ۹۴

بعض کم ظرف اور کوتاہ فہم ، امام حُسینؓ پر یہ ناقابلِ قبول الزام چسپاں کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بیعت نہ کرکے معاذ اللہ سیاسی امور میں معاملہ فہمی کا ثبوت نہ دیا ، لیکن یہ لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ حُسینؓ اور یزید کے درمیان صرف سیاست اور ملک گیری کی کشمکش نہ تھی ، بلکہ اس کشمکش میں اسلام کے بنیادی اُصول نہایت واضح طور پر زد میں آجاتے تھے ۔ اگر حُسینؓ بیعت کر لیتے تو وہ چیز جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دی جاتی جس نے دُنیا میں ایک انقلاب برپا کیا تھا ۔ وُہ انقلاب جس نے بنی نوع انسان کو جہالت اور بربریت کی ناپیدا کنار تیرگیوں کے سمندر سے نکال کر باعزّت مثالی زندگی کی پُر نور راہ پر لگا دیا تھا ۔ وُہ یہ بھول جاتے ہیں کہ امام حُسین کی طبیعت میں سودا بازی اور معاملہ سازی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی ۔ اُن کی طینت میں اسلام اور احکامِ اسلام رچے ہوئے تھے ، وُہ یہ جانتے تھے کہ یزید سے بیعت کرنے کے معنی اُصول اسلام کو محو کر دینا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اِس چراغ کو بُجھا دینا ہے جس کا کام انسان کو گمراہی سے نجات دلانا ہے ۔[1]

ان تاریخی واقعات کی روشنی میں امام حُسینؓ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ یزید کی خلافت کو مان لیتے ، عقلِ سلیم گوارا نہیں کر سکتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقامؑ کو اپنی شہادت پر ذرا بھر شک نہ تھا ، وُہ جانتے تھے کہ یزید کی مخالفت میں صرف آپ کو ہی نہیں بلکہ عزیزوں اور ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا ۔ اس علم کے باوجود آپ نے یزید کا مقابلہ صرف اس لئے کیا کہ جس تحریک کو لے کر وُہ اُٹھے ہیں ، اُس کے برحق ہونے پر انہیں یقینِ کامل تھا ۔ اُن کے قتل سے یہ تحریک قتل نہیں کی جاسکتی ، بلکہ ظُلم کی طاقتوں کو تباہ کرنے کے لئے اُن کا خُون ہی مؤثر اسلحہ بن جائے گا ۔ چنانچہ جرمنی کا مشہور مؤرخ ماربین اپنی کتاب "اِسلامی سیاست" میں رقمطراز ہے کہ تحریکِ حُسینی قوتِ ارادی ، عزّتِ نفس اور قوتِ ایمان سے عبارت ہے جس نے ظُلم کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کیا اور ہنگامی فتح کو مطمحِ نظر بنانے کے بجائے اُن کے سامنے ایک ایسی لازوال فتحِ کامل مقصود تھی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کو تباہی سے بچالے ۔[2]

ہم نے شاہِ شہیداں کے مؤلف عبّاس محمود العقاد کے خیالات اس لئے درج کئے ہیں تاکہ قارئینِ کرام پر واضح ہو جائے کہ فلسفۂ شہادت کے رمُوز و اسرار بیان کرنے والوں میں اور بھی کئی محققین موجود ہیں اور ہمارے ہمنوا ہو کر بقول حکیمُ الامّت اعتراف کر رہے ہیں کہ امام عالی مقام کی شہادت کی غرض و غایات اعلاء کلمۃ الحق اور خلافت علیٰ منہاجِ نبوّتِ کا احیاء تھا

---

۱۔ شاہ شہیداں ، ص ۱۰۳، ۱۰۴

۲۔ بحوالہ شاہ شہیداں ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ ، ص ۱۰۷

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

# حُسینیت جہاد فی سبیل اللہ ہے

ہم نے گذشتہ اوراق میں فلسفۂ شہادتِ امام عالی مقام کی وضاحت کے لئے کئی نامور مؤرخین اور مفکرین کے نظریات اور تاثرات بیان کئے ہیں ۔ خاص طور پر اس موضوع پر مولانا ابوالکلام آزاد نے اس شہادت عظمیٰ کو ایک مستقل مشن کے طور پر اپنانے کا مشورہ دیا ہے ۔ ہم بصداق "ختامۂ مِسک" آخر میں ایران کے مشہور انقلابی فاضلِ شہیر ڈاکٹر علی شریعتی[۱] کے افکار عالیہ پیش کر کے موضوع کتاب کی اہمیت ، افادیت اور مقبولیت کا سامان

۱۔ ڈاکٹر علی شریعتی ۱۹۳۳ء میں مزینان (مشہد) میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تدریس کا کام شروع کیا اور ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۶۰ء میں کالج سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد سرکاری وظیفہ پر فرانس اعلیٰ تعلیم کے لئے چلے گئے۔ ۱۹۶۹ء میں وہاں سے عمرانیات میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

واپس ایران پہنچتے ہی ان کو فرانس میں دوران تعلیم سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں رہا ہونے پر مشہد یونیورسٹی میں تعلیم و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ ایک مسلمان ماہر عمرانیات ہونے کی حیثیت سے انہوں نے مسلمان معاشرے کے مسائل کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ تفسیر و توضیح کے لئے اپنے طالب علموں سے مباحث کا آغاز کیا اور جلد ہی ایران کے طلباء اور مختلف طبقوں میں معروف ہو گئے۔ حکومت ایران کے لئے انہیں یونیورسٹی سے برخاست کرنے کے لئے یہ کافی تھا۔

اس کے بعد ان کو تہران بھیج دیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر شریعتی کی شاندار اور قابل تحسین سرگرمیاں جاری رہیں۔ حسین ارشاد کے انسٹیٹیوٹ میں ان کے لیکچرز لوگوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث بنے۔ تقریباً چھ ہزار طالب علم اور دوسرے مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے ہر سیشن میں داخلہ لیا اور ان کے لیکچرز سے عرفان علم حاصل کیا۔

ڈاکٹر شریعتی کی پہلی کتاب پر شاہ کی حکومت سخت جزبز ہوئی اور اس کی مزاحمت کے باوجود کتاب کی ساٹھ ہزار کاپیاں فروخت ہوئیں۔ حسین ارشاد کے انسٹیٹیوٹ میں ڈاکٹر شریعتی کی غیر معمولی کامیابی پر شاہ کی پولیس نے اس انسٹیٹیوٹ کو گھیرے میں لے کر ڈاکٹر شریعتی اور ان کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان کی سرگرمیوں کو دبا دیا گیا اور اٹھارہ ماہ تک ڈاکٹر شریعتی کو جیل میں رکھا گیا۔ بین الاقوامی اور اندرون ملک دباؤ کے تحت شاہ نے ان کو ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء کو رہا کر دیا۔ مگر ان کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔ ڈاکٹر شریعتی کو اپنے خیالات لوگوں تک پہنچانے کی قطعی طور پر ممانعت تھی۔ ان غیر موزوں حالات میں انہوں نے قرآن و سنت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ملک سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگلستان پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ڈاکٹر شریعتی کو ۱۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو شہید کر دیا گیا۔

ڈاکٹر شریعتی نے اسلامی نقطہ نظر سے بہت سے فلسفیانہ مذہبی اور عمرانی علوم کا نہایت گہرا مطالعہ کیا اور انہیں سمجھا۔ یوں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عظیم مسلمان مفکر تھے جو مشرقی روایات کے گہرے ساگر سے ابھرے۔ انہوں نے مغرب کے وسیع عمرانی علوم کو کھنگالا مگر اس سے دبے نہیں۔

(ڈاکٹر علی شریعتی کے لیکچر، مطبوعہ کشور عابد حسین ٹرسٹ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۳-۴)

فراہم کرنا چاہتے ہیں ۔ انہوں نے اپنی کتاب Martyrdom of Imam Husain (شہادت یا مرگِ کلرنگ) میں حسینیت کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک مقدس مشن قرار دیا ہے ۔ سب سے پہلے ہم شہادت کی عظمت کے نشان سے ضروری اقتباسات درج کریں گے اور بعد میں ڈاکٹر موصوف کی جانب سے اس مقدس مشن کے حصول کے لئے دعوتِ جہاد فی سبیل اللہ کا تذکرہ کریں گے ۔

## ڈاکٹر علی شریعتی اور فلسفۂ شہادت

"امام حسین نے حکومتِ وقت کے خلاف سیاسی و عسکری انقلاب کے قیام کی خاطر مدینہ چھوڑا تاکہ اُس کے ظالمانہ تسلط کا خاتمہ کرکے اپنے اور دُوسرے لوگوں کے حقوق حاصل کریں ---- لہٰذا امام کے لئے ضروری ہے کہ غاصب حکومت کے خلاف سیاسی جنگ لڑے اور اُس کا مسلح مقابلہ کرکے اُس کی قوت پاش پاش کر دے ۔ حق و صداقت کا راج قائم کرے اور حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے ۔ مَیں یہ بھی کہوں گا کہ عسکری اور سیاسی انقلاب امام حُسینؑ کا حقیقی مشن تھا ، لیکن انہیں اس کے ذرائع میسر نہیں تھے"۔1

مدینہ سے رخصت ہوتے وقت امام حُسینؑ نے اعلان فرمایا :

"اپنے اب وجدّ کی سُنّت کی پیروی کرتے ہوئے مَیں 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کی خاطر مدینہ چھوڑ رہا ہوں ---- مَیں اپنی موت کی جانب جا رہا ہوں ---- بنی آدم کے لئے موت ایک ایسے خوبصورت گلوبند کی مانند ہے جو ایک دُلہن کے گلے میں پڑا ہو موت بنی آدم کے لئے ایک زیور ہے"۔2

امام علیہ السّلام نے باقاعدہ طور پر اور واضح الفاظ میں حکومتِ وقت ، اُس کے فوجی گورنر اور عوام کو بتا دیا کہ :

"مَیں بیعت کرنے کو تیار نہیں ۔ مَیں مکہ چھوڑ کر کوفہ جا رہا ہوں ۔ مَیں موت کی جانب ہجرت کر رہا ہوں اور مَیں نے اپنے سفر کی ابتداء کر دی ہے"۔3

"امام حُسینؑ ایک ذمہ دار راہنما کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر وہ خاموش بیٹھے رہے تو اسلام کو ایک سرکاری مذہب میں تبدیل کر دیا جانے کا اور

---

1۔ علی شریعتی ، ڈاکٹر: مرگ کلرنگ ، مطبوعہ مکتبہ الرضا لاہور ، ص ۴۷

2۔ مرگ کلرنگ ، ص ۴۹ 3۔ ایضاً ، ص ۵۱

وُہ محض عسکری اور اقتصادی قوت کا ملغوبہ بن کر رہ جائے گا۔ اس کی کیفیت دُوسری حکومتوں اور طاقتوں جیسی ہو جائے گی اور جب فوج اور حکومت کی قوت کو زوال آئے گا تو کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔ پھر اسلام کی حیثیت ایک قصۂ پارینہ کی ہو گی جو تاریخ کے اوراق کی زینت بن جائے گا"۔۱

"امام حُسینؑ، حضرت آدمؑ کے وارث ہیں جن کی بدولت نوع بشر نے زندگی پائی اور ان انبیائے کرامؑ کے جانشین ہیں جنہوں نے لوگوں کو جینا سکھایا، اب یہ بتانے کے لئے میدان میں اُترے کہ مرنا کیسے چاہئے ؎

جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تُو نے

آپ نے بتایا ذلّت کی موت اُن کی ہوتی ہے جو زندہ رہنے کی خاطر تحقیر برداشت کرتے ہیں ---- اُنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی، گھر بار چھوڑا اور مرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ دُشمن کی برائیوں کو طشت ازبام کرنے کے لئے اس کے علاوہ اُن کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس طریقۂ کار کا انتخاب کیا تاکہ حکومتِ وقت کے مکروہ چہرے پر جو فریب زدہ پردے پڑے ہوئے ہیں انہیں نوچ پھینکیں۔ اگر وہ یہ اقدام کر کے دُشمن کو شکست نہیں دے سکتے تھے، تو کم از کم اُسے دُنیا کے سامنے ذلیل و خوار تو کر سکتے تھے"۔۲

"جب امام حُسینؑ نے دیکھا کہ اُن کے سب ساتھی قتل ہو چکے ہیں اور اب اُن کے سامنے دُشمن کی قابلِ نفرت اور غارتگر فوج کے علاوہ اور کوئی نہیں تو آپ نے فرمایا: "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا"؟ (کیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے؟) ---- ہم نے شہادت کی روایت کو بھلا دیا ہے اور اپنے آپ کو فقط شہیدوں کے مزارات کا مجاور بنا دیا ہے۔ ہم ذلّت کی موت کے حامل ہیں۔

ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ۔ الخ کا مطلب کیا ہے؟ کیا آپ کے علم میں نہیں تھا کہ اب آپ کی مدد کرنے والا کوئی نہیں؟ درحقیقت امام عالی مقام نے یہ سوال انسان کی مستقبل کی تاریخ سے کیا ہے۔ اس سوال کا مخاطب مستقبل اور ہم لوگ ہیں۔ اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حُسینؑ اپنے شیدائیوں سے کیا توقع رکھتے ہیں۔ اس سوال کے ساتھ اُنہوں نے اُن تمام لوگوں کو دعوت دی ہے

---

۱۔ [illegible] ص ۲۵
۲۔ ایضاً ص [illegible]

جن کے دلوں میں شہادت اور شہیدوں کے لئے عزت موجود ہے ۔

لیکن ہم نے امام علیہ السّلام کی دعوت ، اُن کی جانب سے مدد کی توقع اور اُن کے پیغام کو جو ہر دَور اور ہر نسل کے شیعہ سے مدد کا طالب ہے کماحقہ اہمیّت نہیں دی ۔ اس کی بجائے ہم دُنیا کو یہ بتاتے ہیں کہ امام عالی مقام کو فقط آہ وبکا اور آنسوؤں کی ضرورت ہے اور ان کا کوئی اور پیغام نہیں ۔ وُہ فوت ہو چکے ہیں اور انہیں گریہ و ماتم کی ضرورت ہے اور وہ گواہی دینے والے شہید نہیں ہیں اور ایسی شخصیّت بھی نہیں ہیں جنہیں ہر دَور میں اور ہر مقام پر پیروکاروں کی ضرورت ہو !!۔۔۔ شہادت اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتی کہ فتح فقط دُشمن پر تسلّط حاصل کرنے کا نام ہے ۔ شہید وُہ ہے جو دُشمن پر غلبہ نہ پاسکنے کی صُورت میں خود اپنی موت کے ذریعے فتحیاب ہوتا ہے اور اگر دُشمن کو شکست نہ بھی دے سکے تب بھی اُسے دنیا کی نظروں میں ذلیل ضرور کر دیتا ہے ۔

جہاں امام حُسینؑ موجود ہوں ـــــــ وُہ ہر قرن اور ہر دَور میں موجود ہوتے ہیں ـــــــ وہاں جو شخص اُن کے پہلو بہ پہلو نہ کھڑا ہو وُہ بے وفا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آیا وہ مومن ہے یا مشرک ، مجرم ہے یا نیکو کار ۔

امام حُسینؑ نے تمام نسلوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ وُہ ہر دَور میں ، ہر لڑائی ، ہر جہاد اور ہر میدانِ جنگ میں موجود ہوتے ہیں ۔ اُن کی شہادت کربلا میں اسی لئے ہوئی کہ وہ تمام ادوار اور تمام نسلوں کو اُٹھنے کے لئے کہیں ؎

کربلا منتظرِ صف شکناں ہے اب تک
کربلا جانبِ انساں نگراں ہے اب تک
دادِ غم ایک بھی جاں باز نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے

اگر تم دیندار ہو تو تم پر تمہارے دین کی طرف سے ذمّہ داری عائد ہوتی ہے ۔ ایک آزاد شخص بھی انسانی آزادی کے سامنے ذمّہ دار ہے ۔ اپنے وقت کے بارے میں گواہی دو ۔ اپنے دَور میں حق اور باطل کے مابین کشمکش کے بارے میں گواہی دو ۔ ہمارے شہید جہاں کہیں بھی گواہی دیتے ہیں آگاہ ، زندہ اور موجود ہوتے ہیں ۔ وہ ایک نشان ہیں اور حق و باطل اور انسانیت کے مقدّر کے متعلق گواہی دیتے ہیں ۔

ایک شبیہ ان سب چیزوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوتا ہے اور ہر انقلاب کے دو رُخ ہوتے ہیں ـــــــ خُون اور ایک پیغام ۔ ہر اس شخص کو جس نے حق و صداقت قبول کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور وُہ جانتا ہے کہ شیعہ کا وظیفہ کیا ہے اور انسانی آزادی کا کیا مطالبہ ہے ، یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ : ؎

کُلُّ    یَوْمٍ    عاشُورا
کُلُّ    اَرْضٍ    کَرْبلاؔ

ڈاکٹر علی شریعتی کے سارے پیغام کا لُبِ لُباب حکیمُ الُامّت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے یُوں بیان کر دیا ہے ؎

ریگِ   عراق   منتظر   کشتِ   حجاز   تشنہ   کام
خونِ   حُسینؓ   بازدِہ   کوفہ   وشامِ   خویش   را

مندرجہ بالا افکار و نظریات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں مسرت ہوئی کہ اس نہج پر سوچنے والوں میں تاریخ ساز شخصیات شامل ہیں ۔ ان کے ارشادات سُننے کے بعد مَیں کہہ سکتا ہوں کہ ؎

گئے   دن   کہ   تنہا   تھا   مَیں   انجمن   میں
یہاں   اب   مِرے   راز   داں   اور   بھی   ہیں

# ماخذ و مراجع


۱۔ آزاد، ابوالکلام: شہادتِ حسین علیہ السلام، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۲۔ آفتاب احمد قریشی، حکیم: کاروانِ شوق، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء

۳۔ ابنِ اثیر، عزّ الدین ابوالحسن علی: الکامل فی التاریخ (جلد چہارم)، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۴۔ ابنِ جریر الطبری، ابوجعفر محمد: تاریخ الاُمَم والملوک (جلد ششم)، مطبوعہ بیروت

۵۔ ابنِ کثیر، حافظ: البدایۃ والنہایۃ (جلد ہشتم)، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء

۶۔ احمد رضا خاں بریلوی، محمد نعیم الدین مراد آبادی: کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن مع خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ مراد آباد

۷۔ اسلم جیراجپوری، حافظ محمد: تاریخ الاُمّت (جلد سوم)، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء

۸۔ اشرف، پروفیسر سید محمد سلیمان: النور، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء

۹۔ اقبال، علامہ محمد: ارمغانِ حجاز، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء

۱۰۔ 〃 〃 〃 : اسرار و رموز (اسرارِ خودی و رموزِ بیخودی)، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء

۱۱۔ 〃 〃 〃 : بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء

۱۲۔ 〃 〃 〃 : بانگِ درا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

۱۳۔ 〃 〃 〃 : پیامِ مشرق، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

۱۴۔ 〃 〃 〃 : جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء

۱۵۔ 〃 〃 〃 : زبورِ عجم، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

۱۶۔ باقر مجلسی، مُلّا محمد: جلاء العیون، مطبوعہ جنب نوروز خان۔ ایران طبع جدید س ن

۱۷۔ تقی لسان الملک، میرزا محمد: ناسخ التواریخ (جلد ششم و ہفتم) مطبوعہ قم۔ طبع قدیم س ن

۱۸۔ جار اللہ، علامہ زمخشری: الموافقۃ بین اھل البیت والصحابۃ، اُردو ترجمہ: احتشام الحسن کاندھلوی: خلفائے راشدینؓ اور اہلِ بیتِ کرام کے باہمی تعلقات، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

۱۹۔ جلال الدین احمد امجدی: خطباتِ محرم، مطبوعہ براؤن شریف۔ انڈیا ۱۹۸۸ء

۲۰۔ جلال الدین رُومی، مولانا: مثنوی مولوی معنوی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء

۲۱۔ حسن، محمد حسن رضا خان: آئینۂ قیامت، مطبوعہ بریلی۔ انڈیا (بارِ نہم)

۲۲۔ حسن، مولوی: تاریخ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات، لاہور ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء

۲۳۔ دانش گاہِ پنجاب: اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (جلد ہشتم)، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء

۲۴۔ زاہد حسین انجم: اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد اوّل)، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۲۵۔ عباس محمود العقاد: ابوالشہداء الحسین بن علیؓ، اُردو ترجمہ: عطا حسین: شاہِ شہیداں، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

۲۶۔ عبد القیوم ندوی، مولانا: تاریخ ملت (حصہ دوم)، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء

۲۷۔ عبد النبی، قاضی کوکب: یادِ شہید، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء

۲۸۔ علی شریعتی، ڈاکٹر: مرگ گوہرتاب، مطبوعہ لاہور

۲۹۔ مجراۃ النصر الحسینؓ، اردو ترجمہ: شیخ محمد احمد پانی پتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

۳۰۔ کرم شاہ الازہری، پیر محمد: تفسیر ضیاء القرآن، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۳۱۔ کشور عابد حسین ٹرسٹ: ڈاکٹر علی شریعتی کے لیکچر، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

۳۲۔ لوط بن یحییٰ: مقتل ابی مخنف فی مقتل الامام ابی عبد اللہ الحسینؓ، مطبوعہ نجف اشرف ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

۳۳۔ محمد احمد، سید ابو الحسنات: اوراقِ غم، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۴۔ محمد احمد مصباحی: مضامین بحر العلوم، مطبوعہ مبارک پور۔ انڈیا ۱۹۸۷ء

۳۵۔ محمد رضا مصری: الحسنؓ والحسینؓ، اردو ترجمہ: محمد وجیہ السیماء عرفانی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۶۔ محمد جمیل احمد: ائمۂ اہلِ بیتؓ، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی س ن

۳۷۔ محمد شفیع اوکاڑوی: شامِ کربلا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۸۔ " " " : امامِ پاک رضی اللہ عنہ اور یزید پلید علیہ ما یستحقہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۳۹۔ محمد شفیع، خان بہادر: قُطُفُ الْاَزْهَار، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۵ء

۴۰۔ محمد عبد الستار خان نیازی: اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت (حصہ دوم)، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

۴۱۔ " " " " : تحریکِ خلافتِ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء

۴۲۔ " " " " : ہوتا ہے جادہ پیما (قلمی مسودہ)

۴۳۔ محمد عبد الشکور فاروقی: سیرتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین، مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی س ن

۴۴۔ محمد عبد الشکور مرزاپوری: قاتلانِ حسینؓ، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان س ن

۴۵۔ محمد علی حسین البکری: فضائل صحابہؓ و اہلِ بیتؓ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۴۶۔ محمد علی مولوی: شیعہ مذہب المعروف تحفہ جعفریہ (جلد پنجم)، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۷ھ/۱۹۸۸ء

۴۷۔ محمد نافع: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

۴۸۔ مرتضیٰ حسین فاضل، عبد الرزاق ملیح آبادی: نہج البلاغۃ (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء

۴۹۔ مرتضیٰ مطہری شہید، استاد: شہید، اردو ترجمہ: سید غلام حسنین کراروی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

۵۰۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ: تاریخ اسلام (حصۂ اوّل)، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

۵۱۔ نظیر لدھیانوی، اصغر حسین خان: شعرِ حسن، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۵۲۔ نعیم الدین مراد آبادی، صدر الافاضل محمد: سوانح کربلا، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور ۱۹۸۵ء

۵۳۔ وزارت ارشادِ اسلامی: قانونِ اساسی جمہوری اسلامی ایران، مطبوعہ تہران ۱۳۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۵۴۔ ہاشم الحسینی البحرانی، السید: حِلْيَةُ الْاَبْرَار فِي فَضَائِلِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الْاَطْهَار (جلد اوّل)، مطبوعہ قم، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

۵۵۔ ہدایت اللہ ندوی: شہیدِ کربلا (ترجمہ اردو)، مطبوعہ میاں چنوں ۱۹۸۶ء